کتاب المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وغیرہ

کا

علمی احتساب

- یعنی "المرتضیٰ" تالیف مولانا ابوالحسن علی ندوی میں تاریخی، ادبی اور علم الانساب کی غلطیوں، تضاد بیانیوں اور دلچسپ خامیوں کی نشاندہی۔
- "حدیث افک" پر مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی کے اعتراضات کے جوابات۔
- حیات امام ابوحنیفہ مصنفہ مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری کے اغلاط رجال کی تصحیح۔

از

شیخ الحدیث مولانا زین العابدین المعروفی الاعظمی

باھتمام الحاج مولانا نذیر احمد نعمانی حاجی فیاض احمد صاحبان مئوی

پسران حکیم مولانا محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ قادریہ پورہ معروف۔ کورتھی جعفر پور۔ ضلع مئو

کتاب المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وغیرہ

کا

علمی احتساب

- یعنی "المرتضیٰ"، تالیف مولانا ابوالحسن علی ندوی میں تاریخی، ادبی اور علم الانساب کی غلطیوں، تضاد بیانیوں اور دلچسپ خامیوں کی نشاندہی۔
- "حدیث افک" پر مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی کے اعتراضات کے جوابات۔
- حیات امام ابوحنیفہ مصنفہ مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری کے اغلاط رجال کی تصحیح۔

از

شیخ الحدیث مولانا زین العابدین المعروفی الاعظمی

باہتمام الحاج مولانا نذیر احمد نعمانی حاجی فیاض احمد صاحبان مئوی

پسران حکیم مولانا محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ قادریہ پورہ معروف۔ کورتھی جعفرپور ضلع مئو

نام کتاب ——— علمی احتساب
مصنف ——— شیخ الحدیث مولانا زین العابدین صاحب معروفی
طبع اول ——— سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق سنہ ۱۹۸۹ء
قیمت ——— روپے
تعداد ——— ۱۰۰۰ ایک ہزار
ناشر : مکتبہ قادریہ پورہ معروف کورتھی جعفرپور ضلع مئو۔

باہتمام: مولانا نذیر احمد نعمانی و حاجی فیاض احمد صاحبان مئو

ملنے کے پتے

مولانا زین العابدین شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس ———

عبد الباسط منیجر مکتبہ قادریہ پورہ معروف ڈاکخانہ کورتھی جعفرپور ———
ضلع مئو ۔ (یو پی) پن کوڈ ۲۷۵۳۰۵

قاری انوار الحق صاحب مبارکپوری استاذ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب
بنارس۔ ۲۲۱۰۰۱

مدنی کتب خانہ، کرہاں، ضلع مئو۔

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین رسول رب العٰلمین سیدنا ومولانا محمد رحمۃ للعٰلمین۔ وعلیٰ آلہ الطاھرین۔ واصحابہ الھادین الذین اھتدوا بھدیہ واقتدوا باٰثارہ فقد سبقت لھم من اللہ العزیز الرحیم الحسنیٰ فی کتابہ المبین۔ فھم عن النار مبعدون۔ لایسمعون حسیسھا وھم فیما اشتھت انفسھم خٰلدون۔ خصوصًا علی الخلفاء الراشدین المھدیین۔ الذین اُمرنا باتباع سنتھم عاضین علیھا بالنواجذ۔ جعلنا اللہ ممن یطیعہ ویتبع الرسول ویقتدی باصحابہ اجمعین ویحشرنا فی زمرتہ یوم الدین۔

اما بعد۔ بندۂ ظلوم جہول اہل حق کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں مشہور عالم بزرگ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شخصیت ایسی نمایاں ہو چکی ہے کہ کسی کتاب کے صحیح ہونے کی ضمانت محض آپ کے نام کا آجانا ہی مان لیا جاتا ہے مولانا مدظلہٗ نے اپنی تازہ شاہکار ”المرتضیٰ“ نامی کتاب کو جوں ہی شائع کیا ہر طرف سے اس کی پذیرائی ہونے لگی، جرائد ورسائل میں ہر طرف سے اس کی تعریف میں بیانات آنے لگے، تو شدتِ اشتیاق سے ہم نے از اول تا آخر اس کا مطالعہ اس طرح کیا کہ حوالجات میں سے جتنی کتابیں ہمیں مل سکیں سب کو سامنے رکھ کر پڑھ ڈالا، درحقیقت مضامین بلند پایہ تھے۔

لیکن اصل سے مراجعت کرنے پر معلوم ہوا کہ مختلف روایتوں میں سے جس روایت کو ترجیح
دے کر کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس میں بہت جگہ مرجوح روایتیں آگئی ہیں اس وجہ سے
کتاب کے مضامین ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اور علم الانساب میں بھی کچھ فروگذاشتیں
ہوگئی ہیں۔ پس ہم نے ان کو مفصل نوٹ کرنے کے بعد اس کی ایک قسط سب سے پہلے مصنف
مدظلہٗ کے پاس بھیجی اور عرض کیا کہ یہ خامیاں ہماری نظر میں آئیں، اگر قابلِ رجوع ہوں
تو ان باتوں سے رجوع کر کے اس کا اعلان کر دیں تاکہ جس انداز میں کتاب "المرتضیٰ"
کی اشاعت ہوئی ہے اُسی انداز میں رجوع بھی مشتہر ہو جائے۔ ورنہ ہمیں مطمئن کر دیں۔
ہم نے مصنف کی شخصیت اور ان کا احترام ملحوظ رکھ کر یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔
وسطِ فروری ۱۹۸۹ء کو ہم نے یہ رجسٹری بھیجی تھی مگر ایک ماہ سے زیادہ انتظار کرنے
کے بعد جب کوئی جواب نہیں آیا ـــــ بلکہ ہم کو ایک روایت یہ پہنچی کہ ہماری تنقید
میں سے مصنف مدظلہٗ نے بہت تھوڑا سا پڑھا پھر ہماری آٹھ ورق تحریر کو پھاڑ کر
کوڑے دان میں ڈال دیا واللہ اعلم ـــــ تو ہم نے پوری تحریر کا فوٹو لیکر مختلف ماہنامہ
کے ذمہ دار حضرات کو بذریعہ رجسٹری بھیج دیا۔ اور ان کو بھی دعوت دی کہ اگر آپ کے نزدیک
ہماری گرفت صحیح نہ ہو تو ہم کو مطمئن کر دیں ورنہ اس تنقید کو رسالہ کی قریبی اشاعت میں شائع کر دیں،
مگر ابھی تک ان رسالوں میں سے کسی میں ہمارا مضمون شائع نہیں ہوا۔ تو اللہ کا نام لے کر
اس کو مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ اور تمام اہلِ علم سے درخواست کرتے ہیں
کہ اس تنقید کو ملاحظہ فرما کر اپنی تصویب یا مدلل تردید سے ہم کو مطلع کریں۔ دونوں قسم کی تحریروں
کو ہم انتہائی قدردانی اور شکریہ کے ساتھ پڑھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔
کتاب "المرتضیٰ" کا سب سے بڑا المیہ وہ ریمارک ہے جو امیرِ عادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات
پر کیا گیا ہے۔ واللہ المستعان۔

محتاجِ دعا

زین العابدین ولد محمد بشیر مرحوم المعروفی الاعظمی خادمِ حدیثِ نبویؐ

مدرسہ مظہر العلوم بنارس، مورخہ ۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۹۸۹ء

کتاب المرتضیٰ پر ایک تحقیقی نظر

نام کتاب :- المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
شائع کردہ :- مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ۔ بار اول ۱۹۸۸ء
صفحات :- ۴۶۴ قیمت ساٹھ روپیہ (اردو ایڈیشن)

کتاب نہایت آب وتاب کے ساتھ عمدہ کاغذ اور جلی وخوشخط کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ جاذب نظر ودیدہ زیب ہونے کے ساتھ سیرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ایک مبسوط کتاب کہی جاسکتی ہے۔ ناشرین نے اسکے مناقب وفضائل ڈسک کور کے ایک پورے صفحہ پر لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ "مستند کتب تاریخ" ناقابل انکار واقعات وحقائق، اور تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں" یہ کتاب لکھی گئی۔

اس کتاب میں سیرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مضامین صرف ۳۱۹ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور بقیہ ۱۴۵ صفحات میں دوسرے مضامین اور انڈکس ومسئلہ امامت، واولاد علی رض کے حالات ہیں جو تقریباً کتاب کا ایک تہائی حصہ ہے۔ اس کتاب کے اجراء کے موقع پر بھی بعض رسالوں میں اس کی بہت مدحت سرائی کی گئی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کتاب میں کافی حد تک خامیاں موجود ہیں۔

۱ــــ مصنف مدظلہ کی ہر کتاب میں دو خامیاں قدر مشترک ہوا کرتی ہیں۔ جس کی طرف محترم حیات اللہ انصاری صاحب نے عرصہ ہوا توجہ دلائی تھی۔ مگر مصنف نے اسکی طرف توجہ نہیں کیا اور اس کتاب "المرتضیٰ" میں ان کا اعادہ کر ڈالا۔ ایک تکرارات، کہ جو مضامین پہلی تصنیفات میں آچکے ہوتے ہیں دوسری تصنیف میں مفصل یا مختصر ان کا اعادہ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب

میں سابق تصنیفات "نبی رحمت"، "مختارات" "ماذاخرالعالم بانحطاط المسلمین" وغیرہ کے مضامین بکثرت آگئے ہیں۔ اور ایک پورا مضمون جو ۲۹ سال پہلے "فاران" کراچی میں چھپ چکا تھا۔ اس کو آخر میں ملحق کر کے کتاب کی ضخامت بڑھا دی گئی ہے۔

دوسری چیز خاندانی بزرگوں اور خردوں کے مناقب ہر کتاب میں ضرور بڑھائے جاتے ہیں۔ اگر مضمون مناسب ہو تو خیر ورنہ مناسبت پیدا کر کے ضرور لکھے جاتے ہیں۔ جسکو اکابرین امت "خودستائی" قرار دیتے ہیں۔ مرشد رومی فرماتے ہیں؂

ما درح خورشید مداح خوداست ؛ کہ دو چشم روشن و نامرداست

اس کتاب میں بھی والد محترم مولانا عبدالحی رحمہ رائے بریلوی اور برادر محترم ڈاکٹر عبدالعلی رح کے اوصاف، کمالات اور اول الذکر کی تصنیفات کا تعارف اچھے ڈھنگ سے کرا دیا گیا ہے۔ والد محترم کے بارے میں لکھتے ہیں:

برصغیر کی تاریخ، ثقافت وعلم وتمدن پر متعدد اہم کتابوں کے مصنف تھے۔ مختلف النوع اہم شخصیات اور علماء وصوفیاء کے حالات میں انہوں نے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ (نزہۃ الخواطر) اور وہ علمی حلقوں میں اس موضوع پر ایک مستند ومفصل ماخذ ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔"

بیشک نزہۃ الخواطر میں شخصیات کی طویل فہرست ہے۔ لیکن سیرت علی رضؓ میں اسے ذکر کرنیکی کیا ضرورت ہے؟ اور علمی حلقوں میں اس کے "مستند" ہونے کی خوش فہمی بھی قابل غور ہے، جیسا کہ عصر حاضر میں "فن رجال" کی ایک مسلمہ شخصیت نے شیخ تقی مانکپوری کے حالات میں "نزہۃ الخواطر کے بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"چشتی کا بیان قابل ترجیح ہے، اس لیے کہ "نزہۃ الخواطر" کا ماخذ منبع الانساب ہے۔ جو بالکل غیر مستند، اور بے سروپا بیانات، بلکہ جعلی حکایات کا مجموعہ ہے۔

تعجب ہے۔ کہ مولانا عبدالحی رائے بریلوی نے اس پر کس طرح اعتماد کیا "

(دست کار اہل شرف ص۱۲ از محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی)

۲۔ جگہ جگہ اس کتاب "المرتضیٰ" میں خود ستائی اور تعلّی بھی نظر آئی۔

(الف) " ضرورت ایسی کتاب کی باقی ہے، جس میں وسیع پیمانہ پر مختلف گوشوں کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہو۔ بندھے ٹکے حدود سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب سے قلم اٹھایا گیا ہو۔ صرف اس ہی مواد و معلومات پر انحصار نہ رکھا گیا ہو۔ جو سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں فراہم کر دیا ہے۔ مصنف کی ہمت بلند اور نگاہ وسیع ہو" المرتضیٰ ص۱۸

گویا اب تک کے مصنفین سوانح نہ انصاف پسند تھے اور نہ وسعت نظر رکھتے تھے۔ جو المرتضیٰ کے مصنف کو حاصل ہے۔

(ب) احمد حسن الزیات نے چار شواہد اس بات پر پیش کیے ہیں کہ کتاب نہج البلاغۃ کا زیادہ حصہ حضرت علیؓ کی طرف جعلی منسوب کیا گیا ہے۔ اس اقتباس کو مصنف المرتضیٰ یوں نقل کرتے ہیں۔

" کچھ لوگوں کا رجحان اس طرف ہے کہ اس کا بڑا حصہ "الشریف الرضی" کی تصنیف ہے۔ کیونکہ ① اس میں صحابہ کرام پر طنز و تعریض ہے۔ اور ان کے حق میں نامناسب الفاظ آگئے ہیں۔ ② اور اس لیے بھی کہ اس میں فلسفۂ اخلاق اور علم الاجتماع کی ایسی باتیں بھی ہیں جو بعد کی پیداوار ہیں۔ ③ اور بہت باریک کے ساتھ کسی چیز کا وصف اور صنائع بدائع کا تکلف پایا جاتا ہے۔ جو اس زمانے کی چیز نہیں تھی۔ ④ اور وہ اس زمانے کے لوگوں کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا، ظاہر ہے کہ اس مجموعہ میں بہت کچھ علی کا کلام ہے۔ اور زیادہ حصہ ان سے منسوب کیا گیا ہے"

اس کے بعد مصنف اپنی تعریف اپنے قلم سے یوں تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن ایک صاحب بصیرت ناقد، جس کو اس عصر کی زبان و اسلوب سے واقفیت اور اس کا ذوق ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حضرت علیؓ کو استثنائی طور پر کیا وہبی صلاحیتیں اللہ نے عطا کی تھیں۔ اور انسانی نفوس کے کیا تجربات ان کو حاصل تھے، زندگی کے سرد و گرم کا انہیں کس درجہ تجربہ تھا جسکو یہ معلوم ہے وہ بہ آسانی تمیز کر سکتا ہے کہ کون سا کلام ان کے شایان شان ہے۔ اور کون سا نہیں اور ان باتوں کو بہ آسانی تمیز کر سکتا ہے جو ان کی جانب منسوب ہیں۔" المرتضیٰ ص ۲۸۸-۲۸۷

اس ادعائی تعلّی سے بھی "الزیات" کی بات رد نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحابہ کرام پر طنز و تعریض والی وجہ کا جواب نہیں ہوا۔ اور جن کے سامنے وہ خطبے دیئے گئے۔ انہیں تو استثنائی طور سے وہ وہبی صلاحیتیں نہیں عطا ہوئی تھیں کہ اتنی باریکی کو۔ اور علم الاخلاق اور علم الاجتماع کی بعد والی پیداواروں کو سمجھتے اور انہیں کے سامنے یہ خطبے دیئے گئے ہیں۔ جو حضرت علیؓ جیسے فصیح و بلیغ قادر الکلام کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ کسی کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ مقتضیٰ حال کے مطابق ہو (تلخیص المفتاح) غرض ۲ و ۲ کا جواب مان بھی لیں تو ۱ اور ۴ کا جواب اب بھی نہیں ہوا۔

۳۔ بہت سی جگہوں میں تاریخی غلطیاں اور مختلف صفحات میں تضاد بیانی بھی پائی جاتی ہے جیسے۔

(الف)۔ "ابن سیرین اور علامہ مقبلی نے "العلم الشامخ" میں روایت نقل کی گئی ہے: نہج البلاغۃ میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی اصلیت میں شک ہے۔" المرتضیٰ ص ۲۸۵

محمد بن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو چکی ہے۔ ان کی وفات کے دو سو انچاس برس کے بعد نہج البلاغۃ کے مصنف ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اگر پندرہ سال کی

عمر میں ان خطبات امیرالمومنین کو نہج البلاغہ میں جمع کیے ہوں تو ابن سیرین کی وفات کو دو سو اناسٹھ برس ہو گئے۔ پھر کسی طرح ابن سیرین نے نہج البلاغہ پر نقد کیا۔؟

اور اگر یہ کوئی دوسرے ابن سیرین ہوں تو مصنف محقق کو تعیین کرنی ضرور تھی۔ کیونکہ محققین فرما گئے ہیں کہ: اذا اطلق ابن سیرین فہو محمد هذا: جب بلا قید ابن سیرین کہا جائے تو یہی محمد بن سیرین مراد ہوتے ہیں۔

۴۔ "لگے بندھے صد ود سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب میں" عرق ریزی کی بنیاد پر تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔

سب سے پہلے کون سے صحابی رض اسلام لائے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے حضرت خدیجہ، پھر حضرت علی رض یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما۔ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت علی سب سے پہلے ایمان لائے۔ اس کو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے۔ لیکن عمرو بن عنبسہ، حسان بن ثابت اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ اور حضرت ابن عباس رض نے حضرت حسان رض کی تصدیق کی ہے

اس اختلاف کے پیش نظر محققین علماء حضرت امام ابوحنیفہ امام نووی رحمہما اللہ نے ورع اور احتیاط کا پہلو اختیار کیا۔ امام نووی فرماتے ہیں:

قد اختلف العلماء فی اول من اسلم فقیل خدیجۃ، وقیل ابوبکر، وقیل علی رضی اللہ عنہم، والصحیح خدیجۃ ثم ابوبکر ثم علی ...... قال العلماء الاورع ان یقال اول من اسلم من الرجال الاحرار ابوبکر،

سب سے پہلے کون سے صحابی اسلام لائے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت خدیجہ حضرت ابوبکر حضرت علی رضی اللہ عنہم تینوں کے بارے میں اقوال ہیں صحیح بات یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ پھر حضرت ابوبکر، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اور علماء نے فرمایا کہ: زیادہ احتیاط اور پرہیزگاری کی بات یہ ہے کہ کہا جائے:

ومن الصبیان علی ومن النساء خدیجة۔ | آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی،

اور عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام لائیں۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

لیکن جدید تحقیق میں احتیاط و پرہیز گاری کی لگی بندی حد کو توڑ کر اصرار ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علی الاطلاق اسلام لانیوالا قرار دو کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ جب حضرت علی رضؓ آنحضرتؐ کی کفالت میں تھے تو سب سے پہلے آنحضرت کی دعوت کو انہیں نے قبول کیا ہوگا۔ یعنی محققین کو یہ فطری بات سمجھ میں نہیں آئی ہوگی۔ عرض ہے کہ پھر تو خواجہ ابوطالب جو ہمیشہ آنحضرتؐ کی ناز برداری اور مدد کرتے رہے۔ ان کے اسلامؓ لانیکی روایت بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ فطری بات کے خلاف ہے؟

پھر لکھتے ہیں:

"بعض محققین نے اور مختلف روایات کو یکجا کرنیوالے علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اہل بیت (خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانیوالی حضرت خدیجہ رضؓ تھیں، پختہ کار اور پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور کم عمر والوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔" المرتضیٰ ص۵۲

محققین کو تو قرینہ قیاس نہیں معلوم ہوا لیکن مصنف المرتضیٰ کو تو معلوم تھا۔ پھر اسی کتاب المرتضیٰ کے ص۱۶۱ پر یہ معارض بات کیسے لکھی:

"روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات ہوئی، حضرت علیؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور روتے ہوئے عجلت کیساتھ وہاں پہونچے اور کہا:

" اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں اے ابوبکر! واللہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور سب سے زیادہ آپ کا ایمان مکمل تھا۔ اور سب سے زیادہ آپ کا یقین پختہ تھا۔ (الی آخر الخطبہ) "

حضرت علی رضؓ تو قسم کھا کر فرمائیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سب سے پہلے اسلام لائے مگر "ددوۂ علی رضؓ" یہ بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ پختہ کار پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوبکر صدیق رضؓ ہیں،

۵ـــــ اس کتاب کا وسیع پیمانے پر انصاف کے ساتھ جائزہ لینے پر ایک اور تضاد بیانی کا پتہ چلا۔

"صحیح روایتوں کے بموجب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔" المرتضیٰ ص۴۷

اگر یہ روایت صحیح ہے تو غزوۂ بدر کے موقع پر (رمضان ۲ھ میں)، آپ کی عمر شریف پچیس سال ہوتی ہے: ۱۰+۱۳+۲=۲۵ اس غزوہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نمایاں جنگی کردار، سیرت و حدیث کی بہت سی کتابوں میں ہیں۔ مصنف نے بھی المرتضیٰ میں اس سے پہلے کا کوئی جنگی کارنامہ ذکر نہیں کیا۔ پھر ۳۹ھ میں حضرت علی رضؓ نے ایک خطبہ دیا ہے۔ اس خطبے کے ان الفاظ پر غور کیجئے۔

" خدا گواہ ہے، میں جنگ میں اس وقت آیا ہوں جب میری عمر بیس سال سے کم تھی۔ اور آج ساٹھ سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے۔"
المرتضیٰ ص۲۷۹

اوپر والی صحیح روایت کے مطابق غزوہ بدر سے چھ سال پہلے جب حضرت علی رضؓ کی عمر بیس سال سے کم تھی۔ اس وقت یعنی نبوت کے نویں سال کون سی جنگ ہوئی تھی۔ جس میں حضرت علی رضؓ جنگ میں آئے ہیں؟ اور حال یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے قتال کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ پس اگر غزوۂ بدر میں حضرت علی رضؓ کی عمر بیس سال سے

کم تھی۔ تو آپ کی پیدائش بعثت نبویؐ سے ۴ ۔ ۵ سال پہلے ماننی پڑے گی۔ اسلئے المرتضیٰ ص۴۰ اور ص۲۷۹ میں سے کسی ایک کو صحیح مانیں تو دوسرے کو بالضرور غلط ماننا پڑے گا۔ اور لطف یہ ہے کہ ص۲۷۹ کی عبارت "مستند ادبی مجموعہ" الکامل از المبرد" سے نقل کی گئی ہے۔ اور "صاحب بصیرت ناقد نے آسانی سے تمیز کر لیا ہے کہ واقعی یہ حضرت علیؓ ہی کا کلام ہو سکتا ہے" دیکھو المرتضیٰ ص۲۹۸

ہمارے نزدیک ان متضاد بیانات کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نقلوں کے مستند ہونے کا ذریعہ صرف صحیح اور متصل اسناد ہوتی ہیں۔ ان سے مصنف نے صرف نظر کر کے صرف اپنی " ناقدانہ بصیرت" اور اس عصر کی زبان اور اپنے ذوق سلیم پر اعتماد کر لیا ہے۔ حالانکہ ذوق اور ناقدانہ بصیرت کا مرتبہ اسناد کے بعد آتا ہے۔ غور کیجئے کہ رمضان سنہ۴۰ھ میں حضرت علی کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اور مصنف نہج البلاغۃ الشریف الرضی نے سنہ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔ اب سے تین سو چونسٹھ برس پہلے حضرت علیؓ نے جو خطبے دیئے ان کو الرضی نے کن اسناد سے معلوم کیا؟ کاش مصنف اس کی جستجو کیے ہوتے۔ اور صرف اس خودستائی میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے۔ کہ میں عصر اول کے زبان و اسلوب کا ذوق سلیم رکھتا ہوں۔ اس لیئے میرا ذوق جس کو حضرت علیؓ کا کلام تسلیم کرے وہ ضرور ہی حضرتؓ کا کلام ہو گا۔ مزید یہ کہو دوسرے مستند ادبی ذخیروں میں بھی وہ کلام پایا جاتا ہے۔

۶ــــ تضاد بیانی کی ایک اور مثال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف و کمالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" خلافت کی پوری مدت کو ایک مسلسل مجاہدہ ، ایک مسلسل کشمکش، ایک مسلسل سفر میں گذارنا، لیکن نہ تھکنا، نہ مایوس ہونا، نہ شکایت نہ راحت کی طلب، نہ محنت کا شکوہ ، نہ دوستوں کا گلہ ، نہ دشمنوں کی بدگوئی

وغیرہ وغیرہ ص ۲۹ المرتضیٰ

اس کے بالمقابل دوستوں کا گلہ، اور شکوہ شکایت ملاحظہ کیجئے:

عراقی فوج کی فہمائش میں حضرت علی رضہ کے ان اقوال کو ملاحظہ کیجئے:

"اے مرد نما لوگو! جن میں مردانگی نام کو نہیں، اے خواب وخیال کی پرچھائیوں! اے پازیب پہننے والیوں کی جیسی عقل رکھنے والو! بخدا تم نے اپنی نافرمانیوں سے میری سیاست پر پانی پھیر دیا، غم و غصہ سے مجھے بھر دیا۔ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ قریش کہتے ہیں کہ ابو طالب کا فرزند ہے تو بہادر مگر جنگ کی حکمت نہیں جانتا۔

المرتضیٰ ص ۲۶۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

(عراق کے امیر علی بن ابی طالب اس عصر میں) سب سے زیادہ علم و فضل کے حامل، سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے انسان تھے، پھر بھی لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا، ان سے کنارہ کش ہو گئے، یہاں تک کہ خود امیر المومنین اپنی زندگی سے اکتا گئے اور موت کی تمنا کرنے لگے، المرتضیٰ۔ ص ۲۸

پہلے پیرا میں "زبان ہوشمند" نے جن باتوں کا انکار کیا تھا۔ پیرا ۲،۱ و ۲ میں ان سب باتوں کا ثبوت پیش کر دیا۔

۷ —— المرتضیٰ ص ۲۳۹ کی یہ عبارت پڑھیئے:

" ان حالات میں قصاص کے مطالبہ کی آواز اٹھتی ہے اور ایسے حلقہ سے اٹھتی ہے۔ جہاں حادثہ کے زمانہ میں کسی نے اس خون ناحق کے خلاف انگلی بھی نہیں ہلائی تھی "،

پھر اس عبارت کو پڑھیئے:

" حضرت معاویہ نے حضرت عثمان سے کہا تو پھر ایسا ہو سکتا ہے

کہ ملک شام سے ایک فوج بھیجدوں جو مدینہ میں آپ کی حفاظت کیلئے رہے۔ حضرت عثمان رضنے جواب دیا........المرتضیٰ صفحہ ۲۲

اب بتلایئے کہ حضرت معاویہ رض جو قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے، ان کو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ خون ناحق کے خلاف انگلی بھی نہیں ہلائی تھی۔ یہ دونوں عبارتیں متضاد بیانات ہیں یا نہیں؟

۸ــــ ایک خامی یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ پہلے ایک نظریہ متعین کر لیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت اس نظریہ کے مطابق مل گئی تو اسکو قرینۂ قیاس، بلکہ قیاس مع الفارق کی "جدید تحقیق" میں امر واقعی اور حقیقت بتا دیا گیا ہے۔ اور اگر اس نظریہ کے خلاف قوی، مضبوط، بلکہ متفق علیہ روایت بھی موجود ہو تو بات کا بتنگڑ بنا کر صحیح روایت کو رد کرنے بلکہ اپنے مزعومہ پر تائیدی طور سے پیش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔ جب کہ وہ روایت قطعی طور سے اس مزعومہ کی نفی کرتی ہے۔

مثال کے طور پر درِ خیبر اکھاڑنے کی داستان جس دروازے کو چالیس آدمی ہلا نہیں سکے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور صحابہ کرام قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ انتہائی ضعیف روایت ہے اور اس کے ضعف کو مصنف نے حاشیہ کتاب المرتضیٰ میں تسلیم بھی کیا ہے، مگر مصنف ابن ابی شیبہ (یا بقول مصنف: مسند ابن شیبہ) کے واسطے سے کنز العمال میں مل گئی تو اس کو اس طمطراق کے ساتھ المرتضیٰ صفحہ میں نقل کر دیتے ہیں:

"مسند ابن شیبہ میں انہوں نے اپنی سند سے لیث سے روایت کی ہے کہ ہم جعفر صادقؒ کے پاس گئے۔ ان پر خشیت وندامت کی کیفیت طاری تھی، وہ روتے اور اسکے بعد کہا:

"مجھ سے جابر نے روایت کی کہ علیؓ نے خیبر کے دن قلعہ کا دروازہ اپنے ہاتھوں اٹھالیا تھا، جسکی بنا پر مسلمان خیبر کے قلعہ پر چڑھ گئے، اور اس کو فتح کر لیا، یہ پھاٹک اتنا بھاری تھا کہ کوشش کر کے دیکھی گئی، تو معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہیں سکتے۔"

(کنز العمال بہ رمز ش)

پھر حاشیہ میں "جدید تحقیقی اسلوب سے" اس داستان کو اس طرح باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں: ابن کثیر نے اس کو اور جعفر کی ایک دوسری روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے، اور یہ مشہور واقعہ ہے، اور اس کا واقع ہونا مستبعد نہیں ہے، پھر عقائد کا ایک مسئلہ لکھتے ہیں: اولیاء اللہ سے کرامت کا صدور برحق ہے۔ اور حضرت سیدنا علیؓ تو اولیاء امت کے سرگردہ ہیں،،

گویا سرگروہِ اولیاء علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ضعیف، یا غیر واقعی بات کو مشہور کر دیا جائے تو اس کو بھی کرامت سمجھ کر یقین کر لینا چاہیئے۔

لکھنؤ کے ایک "خاص طبقہ" میں یہ کرامت بھی مشہور ہے کہ مرحب یا عنتر پر حیدر کرار نے تلوار چلائی تو اس کی خود کٹی پھر سر دو پھانک جبڑے سمیت ہو گیا۔ اور زور حیدر سے اس کا سارا جسم دو پھانک ہو گیا۔ تلوار زمین پر پہونچنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین آکر اگر حملہ حیدری کو اپنے بازوؤں پر نہ روکتے تو سات طبق زمین کٹ جاتی۔ پھر بھی جبرئیل امین کے کئی پر کٹ گئے۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ!

تو کہیئے کرامت کے طور پر ہو سکتا ہے۔ اور یہ عقائد کے خلاف بھی نہیں اس لیئے اس کو بھی باور کر لیجئے "ہو سکتا ہے" اور "ہو گیا ہے" میں کچھ فرق ہے؟

اب در خیبر اکھاڑنے والی روایت کی حیثیت ملاحظہ ہو:

جعفر صادق علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ مجھ سے جابر نے روایت بیان کی کہ علیؓ نے خیبر کے دن یوں یوں کیا تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ عمل کر رہے تھے تو جابر دیکھ رہے ہونگے، عام مسلمان تو یہی سمجھیں گے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں وہی حضرت جعفر صادق سے بیان کر رہے ہیں۔ (بلکہ خدام ادب بھی جابر بن عبداللہ ہی سمجھ رہے ہیں، جیسا کہ کتاب المرتضیٰ کی ضخامت بڑھانے کی خاطر جس خادم خاص نے اس کتاب کا انڈکس تیار کیا ہے۔ انہوں نے جابر بن عبداللہ رضؓ صراحۃً لکھا ہے۔ انڈکس ص۳۷۴) تو سنیئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی۔ اسکے دو سال بعد ۸۰ھ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے تو پیدائش سے پہلے حضرت جابر رضؓ سے امام موصوف نے ملاقات کر کے یہ واقعہ سن لیا تھا؟ ہو سکتا ہی کیونکہ اولیا راحت سے کرامت کا صدور برحق ہے"؟

اور اگر یہ کوئی دوسرے جابر ہوں جن سے جعفر صادق رحہ نے دنیوی زندگی میں ملاقات کر کے یہ روایت لی ہو تو وہ واقعہ کے عینی شاہد نہیں » اور اگر یہ جابر جابر بن یزید جعفی شیعی راوی ہوں تو وہ بھی یہ نہیں بتاتے کہ مجھ سے حضرت علی رضؓ نے یہ واقعہ بیان کیا بلکہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یوں کیا تو کیا جابر اس کو دیکھ رہے تھے۔؟

میرا گمان ہے کہ داستان گھڑنے والے یہی جابر جعفی ہوں گے مصنف کی جو بھی تحقیق ہو تو ان صاحب کو، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ مسعر بن کدام، جراح بن الملیح وغیرہ بہت سے لوگوں نے مطعون بتایا ہے۔ سفیان اور زہیر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جابر کی تیس ہزار بلکہ بقول جابر "پچاس ہزار" حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث کا بیان کرنا

حلال ہی نہیں۔ (دیکھو مقدمہ صحیح مسلم)

مگر جدید تحقیقی اسلوب نے کیا گل کھلایا۔ اور رگے بندھے حدود سے نکل جانے کے بعد کیسا صاف راستہ سجھائی دیا کہ جو چیز اکابرین امت کے نزدیک حلال نہیں تھی۔ اس کو کرامت کے طور پر امت کو پلایا جارہا ہے۔ پھر ابن شیبہ کی سند کا کیا حال ہے؟ اور لیث کون ہیں۔ ابن سعد؟ یا ابن ابی سلیم؟ کچھ پتہ نہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ یعنی مصنف کے مزعومہ کے خلاف صحیح، متفق علیہ حدیث موجود ہو تو اس میں چابک دستی کی مثال:

باب۲ حضرت علی دور صدیقی میں

"مشہور ہے کہ حضرت علی رضنے ضروری سمجھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے احساسات وجذبات کا کسی درجہ لحاظ کریں۔ اسلئے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی، پھر جب فاطمہ رضی اللہ عنہا چھ ماہ بعد انتقال کر گئیں تو حضرت علی نے برسرعام بیعت کی۔" المرتضیٰ صـ۱۵۱

اس واقعہ کے مشہور ہونے کا اعتراف تو مصنف کر ہی رہے ہیں۔ اب اس حدیث کے صحیح ہونے کو ملاحظہ فرمائیے:

یہ حدیث صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر صـ۶۰۹ طبع ہندی میں بہت مفصل ہے۔ اور مختصراً چار جگہوں میں اور بھی مذکور ہے۔ اور مسلم باب حکم الفئی صـ۹۲ ج۲ طبع ہندی میں بھی ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ یہاں کی ضرورت کے مطابق عبارت ذیل دیکھئے۔

وعاشت (فاطمة) بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستة اشھر فلما توفیت دفنہا زوجہا	(حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ مہینے بعد تک زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی

علیؓ لیلاً ولم یؤذن بها ابابکر وصلی
علیها وکان لعلیؓ من الناس
وجه حیاة فاطمة فلما توفیت
استنکر علی وجوه الناس فالتمس
مصالحة ابی بکر ومبایعته
ولم یکن یبایع تلک الاشهر
فارسل الی ابی بکر ان ائتنا
ولا یأتنا احد معک کراهیة
لیحضر عمر۔ فقال عمر: لا واللہ
لا تدخل علیهم وحدک.
فقال ابوبکر: وما عسیتهم ان
یفعلوه بی۔ واللہ لآتینهم فدخل
علیهم ابوبکر فتشهد علی فقال:
انا قد عرفنا فضلک وما اعطاک
اللہ ولم ننفس علیک خیرا ساقه
اللہ الیک ولکنک استبددت
علینا بالامر (الی ان قال) فلما تکلم
ابوبکر قال: والذی نفسی بیده
لقرابة رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم احب الی ان احل من قرابتی
...... فقال علی لابی بکر موعدک
العشیة للبیعة. فلما صلی ابوبکر الظهر

تو ان کے شوہر علیؓ نے رات میں دفن
کر دیا۔ اور ابوبکر کو اس کی خبر نہیں دی.
خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھا دی.
اور حضرت فاطمہ کی زندگانی تک حضرت
علی کو لوگوں میں خاص وجاہت حاصل
تھی۔ ان کے وصال کے بعد لوگوں کو
نامانوس محسوس کیا. تو حضرت ابوبکرؓ
سے صلح کرنے اور بیعت کر لینے کے طالب
ہوئے. جب کہ اتنے مہینوں تک بیعت نہیں
کئے ہوتے تھے. تو حضرت ابوبکر کو یہ
کہکر بلا بھیجا کہ آپ ہمارے پاس اکیلے
آئیے. ابوبکر کے ساتھ حضرت عمرؓ کے
آنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے.
تو عمر نے ابوبکر سے کہا واللہ آپ ان
لوگوں کے پاس اکیلے نہ جائیے.
ابوبکر نے کہا: تم ان لوگوں کو کیا سمجھتے
ہو؟ ہمارے ساتھ کوئی خراب کام
کریں گے. میں تو خدا کی قسم اکیلے ہی
جاؤں گا۔ چنانچہ ابوبکر ان لوگوں
کے پاس اکیلے گئے۔ تو حضرت علیؓ نے
خطبہ میں کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد
فرمایا: یہ امر واقعہ ہے کہ ہم آپکی فضیلت

کو اور اس نعمت کو پہچانتے ہیں جسے اللہ نے آپ کو دیا۔ اور اس بھلائی میں آپ پر حسد نہیں کرتے جو خدا نے آپ تک پہونچا دیا۔ لیکن آپ نے یہ معاملہ ہمارے بغیر اکیلے طے کرلیا۔ (اور بھی کچھ کہا جس کو ہم نے چھوڑ دیا) پھر جب حضرت ابوبکر بولے تو فرمایا میرے جان کے مالک کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کو جوڑنا مجھ کو اپنی قرابت کے جوڑنے سے زیادہ محبوب ہے..........

پھر حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ شام کو آپ سے بیعت کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ جب ابوبکر رضؓ نے ظہر کی نماز پڑھی

رقی المنبر فتشھد وذکر شان علی وتخلفہ عن البیعۃ و عذرہ بالذی اعتذر الیہ ثم استغفر ونزل۔

تو خطبہ دینے ممبر پر چڑھے، اور حضرت علی کی شان بیان کی۔ اور بیعت سے ان کے پیچھے رہ جانے کو بتایا۔ اور ان کے اس عذر کو بتایا جو انہوں نے پہلے ابوبکر سے بتایا تھا۔ پھر استغفار پڑھکر نیچے اتر آئے ——— اسکے بعد حضرت علی رضؓ نے خطبہ دیا اور بیعت کرلی۔

دوسری حدیث بخاری ص۱۰۱ پر ہے اس کو حافظ ابن کثیر نے مسند احمد کی سند سے طویل حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول یوں نقل کیا ہے:

لایغترن امرؤ ان یقول: ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ تمت، الا وانھا کانت کذلک، الا ان اللہ وقی شرھا ولیس فیکم الیوم من تقطع الیہ الاعناق

کوئی آدمی اس دھوکے میں نہ رہے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہو گئی تھی پھر تام ہو گئی۔ ہاں وہ بیعت ایسی ہی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی برائی سے بچا لیا۔ اور آج تم میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کی طرف ابوبکر کی طرح لوگوں کی

منل ابی بکر، وانہ کان من خبرنا حین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علیا والزبیر ومن کان معھما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتخلف عنھا الانصار باجمعھا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ الخ

گردنیں اٹھیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اس وقت کی ہماری خبر یہ تھی کہ علی رض، زبیر رض، اور ان دونوں کے ساتھی، حضرت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں الگ ہو بیٹھے اور انصار کل کے کل سقیفہ بنی ساعدہ میں الگ ہو بیٹھے۔

(البدایۃ والنہایۃ) ص ۲۴۶ ج ۵

ان دونوں روایتوں میں حضرت علی کے بیعت سے پیچھے رہ جانے کا بیان ہے۔ اور پہلی متفق علیہ روایت میں چھ ماہ تک پیچھے رہ جانے کی دو جگہ صراحت ہے، مگر مصنف کے مزعومہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اپنے مزعومہ کی تائید کرنے والی روایت کو پہلے البدایہ والنہایہ سے نقل کیا جو صحیحین کے درجہ کی ہرگز نہیں پھر اس مخالف روایت کو جو صحیح متفق علیہ ہے ان الفاظ سے نقل کیا جو اس پیرا کے شروع میں ہم نے المرتضیٰ ص ۱۵۱ سے نقل کیا ہے۔ اسکے بعد اگر لکھتے کہ یہ روایت صحیحین میں مذکور ہے تو نئی تحقیق نہ بنتی اسلئے اس مقام پر:

"حضرت فاطمہ چھ ماہ بعد انتقال کر گئیں تو حضرت علی نے برسرعام بیعت کی" لکھنے کے بعد یوں لکھتے ہیں:

"ابن کثیر اور دوسرے اہل علم کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ دوسری بیعت پہلی بیعت کی توثیق وتجدید تھی"

اس کے بعد یوں لکھتے ہیں:

"اس سلسلہ میں صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں متعدد روایتیں ہیں"

تاکہ سرسری طور سے یہ سمجھا جائے کہ صحیحین اور دوسری کتابوں میں بھی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان کی تائید موجود ہے۔ حالانکہ صحیحین میں صرف اسی بیعت کا ذکر ہے وہ بھی چھ ماہ تخلف اور عذر و معذرت کے بعد، جو مصنف کے مزعومہ کی تردید کرتی ہے۔

اور "سلسلہ" کا لفظ صرف اس بحث کے لیۓ ہے کہ وقت ضرورت کام آئے کہ یہ لفظ موافقت، مخالفت دونوں موقع پر بولا جاتا ہے۔ ورنہ انداز تحریر تو صاف صاف مصنف کی تائید ہی کر رہا ہے۔ غرض واقعہ تخلف کا نہ مشہور ہونا مرجح ہوا، اور نہ حدیث متفق علیہ میں اس کا آنا مرجح ہوا، اور "داستان درخیبر" منعیف سے ضعیف ہی کیوں نہ ہو مشہور ہونے اور "کرامات الاولیاء حق" کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے قابل قبول ٹھہری۔

(۹) **الف**۔ مصنف مدظلہ نے پچھلے مورخین اور سیرت نگاروں کو ایک الزام یہ دیا ہے:

"چند مبالغہ آمیز داستانیں" ان کے بارے میں علم وآگہی کا سرمایہ اور سدرۃ المنتہیٰ ہوتا ہے اور اسی چوکھٹے میں ان کی شخصیت کو (اصحاب سیرت کو) محصور کر دیا جاتا ہے .... اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مخصوص عقائد کے حاملین ان کی شخصیت پر اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔ اور ان کے گرد جذبات وتصورات کا حصار قائم کر دیتے ہیں۔"

المرتضیٰ صـ۱۲

لیکن اس تازہ تصنیف کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اس "اجارہ داری" میں خود مصنف بھی شریک ہیں۔ اور آپ کے جذبات وتصورات یہ ہیں کہ جتنے اعلیٰ کارنامے ہوں وہ سب سیدنا علی رضؓ کے لیۓ مخصوص ہو جائیں۔ اور دوسرا کوئی صحابی رسولؐ ان کارناموں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شریک

ذہن نشین نہ ہو اسکی چند مثالیں لکھتا ہوں:

غزوہ بدر میں مبارزت کا واقعہ پیش آیا جس میں قریش کا مشہور سپہ سالار عتبہ حضرت حمزہ رضؓ سے اور ولید بن عتبہ حضرت علی رضؓ سے مقابل ہوا۔ وہ دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا تو حضرت علی اور حضرت حمزہ نے مل کر شیبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سیرت النبی ص۲۲۳ ج۱ طبع ۵

مگر مصنف نے اس روایت سے صرف نظر کر کے اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام کے حوالے سے یوں نقل کیا:

عبیدہ نے جو عمر میں سب سے بڑے تھے عتبہ کو، حضرت حمزہ نے شیبہ کو اور حضرت علی نے ولید بن عتبہ کو للکارا، حضرت حمزہ اور علی نے اپنے مقابل کے سورماؤں کا پہلے ہی وار میں کام تمام کر دیا اور دوبارہ لوٹ کر ان دونوں نے عتبہ کو نمٹایا" المرتضیٰ ص۱۷

مصنف نے اس روایت کو محض اسلئے ترجیح دی ہے کہ "عتبہ مشہور سپہ سالار کے قتل میں شرکت" حضرت علی کا جنگی کارنامہ دکھلانا مقصود ہے ورنہ خوب جانتے ہیں کہ یہ روایت، سیرت النبیؐ کی روایت کے ہم پایہ نہیں، سپہ سالار کو حضرت حمزہ نے تنہا قتل کیا اور حضرت علی رضؓ نے شیبہ اور ولید میں سے ایک کو تنہا اور دوسرے کو بشرکت حمزہ رضؓ جہنم رسید کیا۔ اور یہ خود ہی ایک عظیم کارنامہ ہے۔ حضرت حمزہ کے کارنامہ کو سلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور یہ واقعہ صحیح ہونے کے ساتھ "مشہور" بھی ہے "شاہنامہ اسلام" میں حفیظ جالندھری نے خوب بسط سے لکھا ہے اور مصنف کے "معمول اور ذوق" کا احترام کرتے ہوئے عربی زبان کی ایک مستند کتاب کی عبارت بھی ہم لکھ دیتے ہیں:

عن علی قال: تقدم - یعنی - عتبة بن ربیعة وتبعه ابنه واخوه فنادی: من یبارز؟ ...... فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قم یا حمزة! قم یا علی! قم یا عبیدة بن الحارث فاقبل حمزة الی عتبة واقبلت الی شیبة واختلف بین عبیدة والولید ضربتان فاثخن کل واحد منهما صاحبه ثم ملنا علی الولید فقتلنا۔ سنن ابی داؤد باب المبارزة من کتاب الجهاد

اس واقعہ میں مصنف نے ابن ہشام کی روایت سے حضرت علیؓ کا جنگی کارنامہ دکھلایا۔ اس کے آگے ابن ہشام کی روایت مصنف کے جذبات سے جب ٹکرا گئی۔ تو صفائی سے سیرت ابن ہشام کو چھوڑ کر ابن سعد کی الطبقات کا سہارا لیا۔ اور ایک منقطع اثر تلاش کر لیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ودفع اللواء الی مصعب بن عمیر بن هاشم بن عبد مناف بن عبد الدار قال ابن هشام وکان ابیض۔	(جنگ بدر میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا جو کہ سفید رنگ کا تھا۔ مصعب بن عمیر رضؓ کو دیا۔ سیرت ابن ہشام صـ ۶۱۲

علم لواء کا جنگی کارنامہ مصعب بن عمیر کے حق میں جا رہا ہے۔ جو مصنف کے مزعومہ کے خلاف ہے لیکن ہے صحیح جیسا کہ استاذ الاستاذ علامہ شبلی رحمہ اپنی لاجواب کتاب سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۲۰ طبع پنجم میں بھی لکھتے ہیں۔ اور مزید یہ ہے کہ:

مہاجرین کا عَلَم مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا (قبیلہ) خزرج کے علمبردار حباب بن منذر اور (قبیلہ) اوس کے حضرت سعد بن معاذ

مقرر ہوئے۔ لیکن مصنف المرتضیٰ ابن ہشام کی اس صحیح روایت کو چھوڑ کر ابن سعد کی الطبقات سے قتادہ کا منقطع اثر نقل کر کے آگے چل دیتے ہیں کہ:

"جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے حامل حضرت علی بن ابی طالب تھے" اور یہ نہیں بتاتے کہ الطبقات کی روایت اگر" ابن ہشام کی سیرت کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں طبقات بن سعد کی تحقیق" اصح السیر کے مقدمہ میں ملاحظہ ہو

۹۔ (ب) لگے بندھے حدود سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب میں تضاد بیانی اور عقیدہ سلف سے ہٹنے کی تحقیق کا ایک اور نمونہ پیش خدمت ہے۔ لیکن ہم پہلے ان حدود اربعہ کو متعین کرنا چاہتے ہیں۔ جن کو مصنف پھاند کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور اہل سنت والجماعۃ کے مخصوص عقائد کی چہار دیواری کو کتاب و سنت اور اقوال سلف سے محصور کر رہے ہیں۔ تاکہ جمہور مسلمان اس سے نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ اور حدود کا پھاندنا مصنفؒ کو مبارک ہو۔

الف:۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ (سورۃ الفتح آیت ۲۹)	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت یافتہ ہیں۔ وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔
(ب) من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او راٰہ من المسلمین فھو من اصحابہ الجامع الصحیح للبخاری ص۵۱۵	مسلمانوں میں سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ کو دیکھا وہ صحابی رسول ہیں۔ (بخاری کتاب المناقب) بشرطیکہ اسلام کی

حالت میں دنیا سے گئے ہوں۔ فتح الباری

(ج) اما معٰویة رضی الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء.

رہے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ معتبر فضلاء اور شریف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ نووی شرح مسلم۔

قال ابن عباس: دعه معاویة فانه قد صحب النبی صلی الله علیه وسلم فی روایة — هل لك فی امیر المومنین معاویة؟ فانه ما اوتر الا بواحدة قال: اصاب انه فقیه. صحیح بخاری ص ۵۳۱

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معاویہ کی بات چھوڑو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت حاصل ہے۔ دوسری روایت — امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپ کو خبر ہے؟ انہوں نے ایک ہی رکعت وتر پڑھی۔ ابن عباس رض: یہ درست ہے وہ فقیہ ہیں (ان کو درجۂ اجتہاد حاصل ہے)

د — شرح عقائد نسفی میں ہے:

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر لما ورد من الاحادیث الصحیحة فی مناقبهم .... وما وقع بینهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاویلات.

اور صحابہ کرام کا ذکر بغیر بھلائی کے نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ ان کے فضائل میں صحیح حدیثیں آئی ہیں........ ...... اور جو لڑائی جھگڑے ان کے آپس میں ہوئے۔ ان کے لئے اچھا محل اور اچھی تاویلات بہت ہیں۔ شرح عقائد ص ۱۱۷

ان تاویلوں میں سے ایک تاویل کو ہم شرح مسلم للنوویؒ سے نقل کرتے ہیں:

"جو لڑائیاں ہو گئیں اس میں ہر جماعت کے لیئے ایسی ملتی جلتی باتیں ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر ایک نے اپنے کو حق پر ہونے کا اعتقاد کر لیا۔ اور وہ سب کے سب معتبر لوگ تھے، اپنی لڑائی وغیرہ میں تاویل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور ان اختلافات نے ان کو عدالت و ثقاہت سے خارج نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سب اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جسطرح بعد کے مجتہدین خون وغیرہ کے معاملات میں اجتہاد کرکے مختلف الرائے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی اجتہادی مسائل میں مختلف ہو گئے۔ اس کی وجہ سے ان پر نقص و عیب کا الزام نہیں آتا۔

ان لڑائیوں کا سبب یہ تھا کہ معاملے انتہائی الجھے ہوئے تھے۔ اس الجھاؤ میں کچھ لوگوں کے اجتہاد کا یہ نتیجہ نکلا کہ فلاں فریق حق پر ہے۔ اور جو ان کا مخالف ہے وہ باغی ہے۔ اور امام برحق کی طرف سے ہو کر باغی کی سرکوبی میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیئے وہ لوگ اس فریق کی طرف ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں کے اجتہاد میں دوسری طرف والوں کا حق پر ہونا ثابت ہوا، پہلے فریق کو اپنے اجتہاد میں باغی سمجھے۔ اور اور اس طرف سے نصرت کرنے کو لازم جانا۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی تھی۔ جو کسی کے مکمل برحق ہونیکا یقین نہیں کرتے تھے۔ اسلیئے کسی طرف ہو کر لڑنے اور مسلمانوں کے خون

بہانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگ دونوں فریق سے الگ تھلگ رہے۔ اگر ان کے اجتہاد میں بھی کسی فریق کی حقانیت واضح ہو جاتی تو ان کے لیئے بھی باغیوں سے لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا اس لیئے ہر فریق معذور ہے۔ (نووی شرح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ج ۲ ص ۲۷۲)

اس تاویل کی تائید صحیح بخاری کی روایات ذیل سے ہوتی ہے۔

دخل ابو موسیٰ وابو مسعود علی عمار حیث بعثہ علی الی الکوفۃ یستنفرہم فقالا: ما رأیناک اتیت امرا اکرہ عندنا من اسراعک فی ھذا الامر منذ اسلمت فقال عمار ما رأیت منکما منذ اسلمتما امرا عندی من ابطاءکما عن ھذا الامر۔ فقال ابو مسعود وکان موسرا: یاغلام ھات حلتین فاعطیٰ احدھما ابا موسیٰ والاخریٰ عمارا۔ (کتاب الفتن ص ۱۰۵۲)

جب حضرت علی نے عمار کو کوفہ اس لئے بھیجا کہ وہاں والوں کو جنگ میں شریک ہونے پر آمادہ کریں۔ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ اور ابو مسعود بدری رضؓ حضرت عمار کے پاس گئے۔ اور دونوں نے کہا: جب سے آپ مسلمان ہوئے ہیں۔ آج تک ہم نے آپ کی کوئی بات ایسی ناگوار نہیں دیکھی تھی۔ جتنی آپ کی شرکت جنگ میں جلد بازی سے ہم کو ہوئی۔ حضرت عمارؓ نے کہا: میں نے بھی آپ دونوں کی کوئی ایسی ناگوار بات آج تک نہیں دیکھی تھی۔ جتنی آپ دونوں کی اس جنگ میں شرکت سے تاخیر کرنے میں پا رہا ہوں۔ پھر ابو مسعود جو خوشحال شخص تھے۔ انہوں نے غلام سے دو حلے منگوائے۔ اور ایک ابو موسیٰ کو دیا۔ اور دوسرا عمار کو عطا فرمایا۔

دوسری روایت صفحہ ۱۰۵۳ میں یوں ہے۔

ان حرملۃ قال: ارسلنی اسامۃ الیٰ علی وقال انہ سیسألک الآن فیقول ماخلف صاحبک؟ فقل لہٗ: یقول لوکنت فی شدق الاسد لاحببت ان اکون معک فیہ لکن ھٰذا امر لم ارہٗ۔

حرملہ کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کوفہ حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اور کہا کہ دیکھو! وہ تم سے پوچھیں گے کہ تمہارے ساتھی (اسامہ اس جنگ میں) ہم سے کیونکر کٹے رہ گئے؟ تو تم کہنا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر آنجناب شیر کے جبڑوں کے بیچ میں پڑ جائیں، تو اس مصیبت میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہنے کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن جنگ میں شریک ہونے کی میں رائے نہیں رکھتا۔

یہ تینوں صاحبان حضرت اسامہ رضؓ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی اس خانہ جنگی میں کسی کی طرف نہیں تھے، اور حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک سرگرم کارکن تھے۔ ان کے اجتہاد میں صحابہ مذکورین کا شریک نہ ہونا غیر پسندیدہ امر تھا اور ان حضرات کے اجتہاد میں کسی طرف شریک نہ ہونا ہی پسندیدہ امر تھا۔ اور شریک ہونے والوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اس اختلاف کے باوجود ان کے آپس کے تعلقات اس قدر شگفتہ تھے۔ کہ ابومسعود رضؓ نے ایک جوڑا نیا کپڑا اٹھا کر حضرت عمار کو بھی دیا

۵ ـــــ اس کے بعد ہم عصر حاضر کے مجدد، اہل حق کے بلا اختلاف مرجع کی مشہور کتاب "حکایات صحابہ" کے خاتمہ سے چند سطریں پیش کرتے ہیں۔ اور ناظرین کرام سے گذارش کرتے ہیں کہ پوری بحث جو صرف دو ورق

میں ہے بغور ملاحظہ فرمائیں ۔ آپ ہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدود شرعیہ میں سخت پابند اور مصنف محقق بھی حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نیازمندوں میں سے ہیں۔ حکایات صحابہ کو اسی باب پر ختم فرماتے ہیں۔ اور اس مضمون کو مشہور اہل سنت بزرگ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی "شفاء" سے نقل کیا ہے۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعزاز واکرام میں داخل ہے۔ حضورؐ کے صحابہ کا اعزاز واکرام کرنا، انکے حق کو پہچاننا، اوران کا اتباع کرنا، اوران کی تعریف کرنا، ان کے لیئے دعائے مغفرت کرنا، اوران کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرنا، مورخین او شیعہ، بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا۔ جو ان حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنیوالی ہوں، اوراس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو کوئی اچھی تاویل کرے۔ اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ ان کے مستحق ہیں، اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے۔ بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے۔ اور عیب کی باتوں سے سکوت،

جیساکہ حضورؐ کا ارشاد ہے: کہ جب میرے صحابہؓ کا ذکر ہو (برا ذکر) تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔

پھر قرآن شریف کی آیتیں چار جگہوں سے نقل کی ہیں۔ اور دسیوں حدیثوں کا ترجمہ نقل کیاہے اس میں سے ایک یہ ہے:

"اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا
نشانہ نہ بناؤ، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے
ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو ان سے بغض رکھتا ہے مجھ سے بغض کی وجہ سے
جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی۔ اور جس
نے مجھ کو اذیت دی، اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اور جو
شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ وہ پکڑ میں آجائے"
(ص ۱۸۱ طبع اشاعت دینیات دہلی)

اب آپ "المرتضیٰ" کے مصنف کا ریمارک پڑھیئے اور دیکھئے کہ کس بے
باکی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دنیا دار حاکم، ا
خوف و خشیت الٰہی سے خالی بتا رہے ہیں۔ جس کو کسی مصری عالم کے
حوالے سے صفحہ ۳۱۴ تا ص ۳۱۵ میں نقل کرتے ہیں۔ اور اس مہمل
بات کو رد کرنے کے بجائے، اسکی توہین کو سراہتے ہیں۔ بلکہ بین القوسین
اسمائے گرامی اپنی طرف سے بڑھا کر توہین کرنے والے کی اعانت بھی
کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

استاذ العقاد نے بڑی خوبی کے ساتھ حضرت علی اور حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے
لکھا ہے:

"یہ اختلاف دو آدمیوں کے درمیان نہیں۔ بلکہ دو نظاموں
کے درمیان تھا، اگر نئی تعبیر اختیار کی جائے تو کہا جائیگا۔ یہ
اختلاف دو مکتب فکر کا اختلاف تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہاں
تصادم تھا۔ خلافت اسلامیہ کے درمیان (جسکی نمائندگی حضرت علی

کر رہے تھے۔) اور دنیاوی حکمران کے طریقہ کے درمیان (جسکی نمائندگی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کر رہے تھے) آگے چل کر لکھتے ہیں" اس مسئلہ میں فیصلہ کن بات یہ نہیں تھی کہ علی رض غالب آجائیں اور معاویہ رض کی جگہ حکومت کریں، یا معاویہ رض غالب آکر علی رض کی جگہ لیں۔ بلکہ معاملہ وہاں اصول و نظام حکومت کا تھا کہ وہ کیا ہو؟ خلافت دینیہ یا دنیا دارانہ ملوکیت یا یوں کہیئے خدا پرستی اور خشیت الٰہی پر مبنی نظام ہو، یا نئی نئی آئی ہوئی دولت کی بنیاد پر زندگی گذارنے کا نظام ہو، جیساکہ دوسری مفتوحہ علاقوں سے آئی ہوئی دولت شہروں شہروں بٹی سردارانِ قبائل، سپاہیوں اور انصار و مددگار لوگوں کے درمیان تقسیم ہوتی رہی، لہٰذا فیصلہ کن اور مکمل فیصلہ کن بات یہ تھی کہ کون سے اصول غالب کیئے جائیں، بادشاہی اصول! یا خلافت نبوی کے اصول، علی و معاویہ دونوں کے لیئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ خواہ وہ اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دیتے۔ الا یہ کہ ان اصولوں میں سے ایک کو اپنائیں"

صحابی رسول حضرت معاویہ رض کی شان میں اس قلمکار کی گستاخی ملاحظہ کرنے کے بعد خود اسی کتاب میں اس سے متضاد بیانات بھی پڑھتے چلیئے جو بلا تحقیق رطب ویابس اقتباسات سے کتاب کی ضخامت بڑھانے کا ناگزیر ردعمل ہے۔

اس کتاب میں حضرت معاویہ رض کی عظیم شخصیت خود مصنف کی عبارت

میں ملاحظہ کیجئے:

"ان کے یہاں (معاویہ کے یہاں) دن رات میں پانچ مرتبہ اذن عام تھا۔ وہ صبح نماز فجر سے فارغ ہوتے تھے، تو بیٹھ جاتے اور پچھلے حوادث و واقعات کی داستان سنتے پھر دولت خانہ تشریف لے جاتے اور قرآن مجید کے ایک پارہ کی تلاوت کرتے پھر مکان پر جاکر انتظامی ہدایات دیتے پھر چار رکعت نماز پڑھتے، اور خواص الخواص کو آنے کی اجازت ہوتی، اور ان سے تبادلۂ خیال کرتے پھر مشیران سلطنت حاضر ہوتے اور اس دن کے کرنے والے کاموں کی اطلاع دیتے پھر کچھ ناشتہ فرماتے پھر ایک بار گھر جاکر باہر تشریف لاتے، مسجد میں کرسی لگادی جاتی اور آپ کے پاس کمزور، بادیہ کا رہنے والا اعرابی بچہ، عورت، بےکس اور لاوارث آدمی آتا آپ فرماتے اس کا لحاظ واحترام کرو" کوئی کہتا میرے ساتھ زیادتی ہوئی۔ آپ فرماتے اس کے معاملہ کی تحقیق کرو" جب کوئی باقی نہ رہتا تو مجلس سے اٹھتے۔ چارپائی پر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق آنے دو۔ جب سب بیٹھ جاتے تو فرماتے، صاحبو! ان لوگوں کی ضروریات و مسائل کو ہم تک پہونچایا کرو جو خود نہیں پہونچ سکتے، اسی لیئے اللہ نے تم کو اعزاز بخشا ہے۔ پھر ہر ایک کے معاملہ اور ضرورت کے مطابق ہدایات دیتے، روزانہ کا یہی معمول تھا"

(المرتضیٰ ص۲۲۲ تا ص۲۲۳، مختارات ص۷ تا ص۲)

ان صحیح واقعات کو دیکھیں اور مصری عالم کے اقتباس کو دیکھ ہی چکے ہیں

اور فیصلہ کریں کہ جس شخصیت کے شب و روز اس طرح گذرتے ہوں ان کو خوف و خشیت الٰہی سے خالی بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا، ؟

"رہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بمقابل ہو کر بیعت نہ کرنا تو اس میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ خلافت کے معاملہ میں حق حضرت علی رض کے ساتھ تھا، اور فریق مقابل ایک اجتہادی غلطی کا مرتکب تھا" (دیکھو المرتضیٰ ص۲۲۳) اور ص۴۲۹)

اس اجتہادی غلطی پر طعن و تشنیع اور خوف الٰہی سے خالی ہونے کا الزام دینا کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا اور تکوینی طور سے اسلام کے لئے ایک عملی نمونہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فراہم کر دیا کہ باغیوں کے تمام مسائل انہیں مشاجرات صحابہ سے مستنبط ہوئے ہیں۔ غرض اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر عامۃ المسلمین پر احسان عظیم کر گئے۔

رضی اللہ عنہ وعن کل الصحابۃ اجمعین۔

۱۰۔ **علم الانساب میں غلطیوں کے چند نمونے** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانیوں کے لیئے قریش نے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ آپ کے پورے خاندان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ تاریخ اسلام میں اس واقعہ کو "مقاطعہ" اور "شعب ابی طالب میں محصوری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المرتضیٰ کے مصنف نے سیرۃ ابن ہشام کے حوالے سے اس کو "جدید تحقیق" کتاب میں ذکر کرتے ہوئے لکھا:

أ ...... بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے بارے میں معاہدہ کرلیں کہ ان کے خاندان سے شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیئے جائیں...

..... خاندان ہاشم اور خاندان عبد المطلب کے افراد نے ابو طالب کا ساتھ دیا المرتضیٰ صفحہ ۳۰

عبد المطلب تو ہاشم کے فرزند ہیں۔ پس جب ہاشم کے خاندان کا قریش نے بائیکاٹ کر دیا تو ان کے لڑکے عبد المطلب کی خاندان کا بھی بائیکاٹ ہوگیا۔ اسی طرح جب سب بنی ہاشم نے خواجہ ابو طالب کا ساتھ دیدیا۔ جس میں بنو عبد المطلب بھی آگئے۔ تو خاندان عبد المطلب کے افراد کو الگ سے ذکر کرنا چہ معنی؟

دراصل مصنف سے یہ غلطی ہو گئی ہے کہ انہوں نے ہاشم کے بھائی مطلب کو عبد المطلب (فرزند ہاشم) سمجھ لیا ہے۔ عبد مناف کے چار لڑکے تھے، ایک ہاشم دوسرے مطلب، تیسرے عبد شمس اور چوتھے نوفل

اس مقاطعہ میں خاندان نوفل اور خاندان عبد شمس کے محروم الاسلام لوگ قریش کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اور پورے خاندان مطلب اور (ابو لہب کے سوا) پورے خاندان ہاشم کے لوگوں نے خواجہ ابو طالب کا ساتھ دیا۔ کہ ہم محمدؐ کی پوری مدد کریں گے۔

اس مضمون کے ماخذ سیرت ابن ہشام میں کئی جگہ اس مقاطعہ کا ذکر ہے لیکن ہر جگہ "بنی المطلب" لکھا ہے کہیں "بنی عبد المطلب" نہیں لکھا ہے دیکھو مطبوعہ مصطفیٰ البابی ۱۳۷۵ھ ابن ہشام ۳۵۰، ۳۷۴، ۳۷۹۔ ہم پہلے یہ سمجھے کہ یہ فاحش غلطی کاتب کی بے احتیاطی سے ہو گئی ہو گی تو ہم نے "نبی رحمت" کا مراجعہ کیا تو اس میں بھی بعینہٖ یہی غلطی ہے۔ اس وجہ سے ذمہ دار مصنف محقق کو ہی ہونا چاہیئے۔

ب ـــ المرتضیٰ صلا میں غزوۂ بدر کے مبارزین میں ایک نام "عبیدہ" آیا ہے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ان کا پورا نام عبیدۃ بن الحارث

ابن عبد المطلب بن عبد مناف ہے۔ یہاں بھی مطلب کو محشی صاحب نے عبد المطلب بنا دیا ہے۔

ج۔ المرتضیٰ صفحہ ۲۰۸

" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے وقت اکثر و بیشتر مفتوحہ ممالک کے گورنر اور زیادہ تر اسلامی افواج کے سربراہ اموی تھے"

یہاں تک صحیح ہے پھر آگے ان امویوں میں "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ" کو بھی شمار کرایا ہے۔ جو قطعاً غلط ہے کیونکہ امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا چچا زاد بھائی ہے۔ اور عمرو بن العاص کے نسب نامہ میں امیہ سے لیکر عبد مناف تک کسی کا پتہ نہیں ہے دیکھئے الاستیعاب لابن عبد البر:

عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو ابن ھصیص بن کعب بن لوی (آگے شجرہ نسب نبوی)

شاید عمرو بن العاص السہمی کو عبشمی سمجھ لیا گیا ہو یا "اکثر و بیشتر" کے بعد بھی "تغلیب" کی ضرورت محسوس ہوئی ہو، ورنہ یہ سبقت قلمی یقیناً غلط ہے۔

۱۱ ــــ صاحب ذوق ادیب کی ادیبانہ غلطیاں بھی نظر آئیں ان کا نمونہ بھی دیکھتے چلئے:

" آپ نے حضرت علی کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ سورۃ برات کی ابتدائی آیتیں لے کر جاؤ اور قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) لوگوں کو سنا دینا، اور بتا دینا کہ جنت میں کوئی کافر نہیں جائیگا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا، خانہ کعبہ کا

طواف کوئی ننگے جسم نہیں کرے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے تو آپؐ اپنی زندگی بھر اس کے پابند رہیں گے۔" المرتضیٰ ص۸۴

آخری جملہ نئی تحقیق ہے۔ سورۃ براءۃ کی ابتدائی آیتیں ملاحظہ فرمائیں جن کو سنانے کے لیئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ معظمہ بھیجا گیا تھا ابن ہشام السیرۃ النبویہ میں ص۵۴۳ سے ص۵۴۶ تک پورے واقعہ کی تصویر کھینچ رہے ہیں وہیں سے مصنف نے اس مضمون کو لیا ہے:-

اِلاّ الذین عاھدتم من المشرکین ای العھد الخاص الی الاجل المسمّٰی ثم لم ینقصوکم شیئًا ولم یظاھروا علیکم احدًا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ط

یعنی جن مشرکین سے ایک خاص مدت تک کے لیئے تمہارا معاہدہ ہو گیا ہے، اور ان لوگوں نے کوئی بد عہدی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، تو تم لوگ ان کا معاہدہ پوری مدت بھر نباہ دو اسکے بعد ابن ہشام لکھتے ہیں کہ:

واجّل الناس اربعۃ اشھر من یوم اذن فیھم لیرجع کل قوم الی مامنھم او بلادھم ثم لا عھد لمشرکٍ ولا ذمۃ الا احد کان لہ عند رسول اللہ عھد الی مدۃ فھو لہ الی مدتہ۔

تمام لوگوں کو اعلان کے دن سے چار مہینہ کی اس لیئے مہلت دی کہ وہ اپنے ٹھکانوں پر یا اپنے شہروں میں چلے جائیں۔ پھر کسی مشرک کے لیئے کوئی ذمہ داری نہیں۔ ہاں جس کا معاہدہ مدت معینہ کے لیئے ہوا ہو تو اس کو اتنی مزید مہلت ملے گی۔

بتائیے کہیں پتہ چلا کہ رسول نے اگر کسی سے معاہدہ کیا ہو تو آپؐ اپنی زندگی بھر اس کے پابند رہیں گے؟ مگر "زبان و اسلوب کے واقف کار" نئے "اسلوب" سے "تحقیقی مضمون نگار" نے "معاہدہ کی مدت بھر" کو "رسول کی زندگی بھر" بنا دیا۔ اس سے زیادہ صاف عبارت جامع الترمذی کتاب الحج صـ۱۰۶ رشیدیہ ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔ اور ادب کے مدعی کی داد دیجئے:

عن زید بن اثیع قال سالت علیا بای شیئ بعثت: قال باربع، لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ، ولا یطوف بالبیت عریان ولا یجتمع المسلمون والمشرکون بعد عامہم ھٰذا ومن کان بینہ وبین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عہد فعہدہ الیٰ مدتہ، ومن لا مدۃ لہٗ فاربعۃ اشہر،

زید بن اثیع کہتے ہیں: میں نے علیؓ سے پوچھا: آپ کیا لیکر بھیجے گئے تھے؟ انہوں نے کہا چار باتیں، جنت میں صرف مسلمان ہی جائیگا، کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ اس سال کے بعد حج کے موقع پر مسلمان اور مشرکین اکٹھا نہ ہونگے اور جس کے ساتھ آنحضرت صلعم کا معاہدہ کسی معین مدت کے لیئے ہوگا وہ مدت پوری کی جائیگی، اور جس کی کوئی مدت نہ ہوگی اسکی مہلت چار مہینہ ہوگی۔

ب ــــ دوسری ادبی غلطی:۔

وفار الوفا اور البرہان کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

مسجد نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کچی اینٹوں سے بنی تھی، چھت کھجور کے تنوں کی تھی،، المرتضیٰ صـ۲۱۲

اصل عبارت جامع صحیح بخاری کے مطابق یوں ہے۔

ان المسجد کان علیٰ عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مبنیًا باللبن

وسقفه الجريد ۔ بخاری ص۶۴ ج ۱

اس الجرید کا ترجمہ مترجم علام سے غلط ہو گیا ہے۔ کھجور کے تنوں کو جذوع کہا جاتا ہے۔ ٹہنیوں کو جرید کہتے ہیں، یعنی مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی، نہ کہ تنوں کی۔

ج ــــ تیسری لغوی وادبی غلطی:

"احمد عبد اللہ بن رزین کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے میری طرف خربوزہ بڑھایا۔ ہم نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے یہ بط کھلائی ہوتی" المرتضیٰ ص۳۰۵

اصل عبارت البدایہ والنہایہ کی ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن زرين انه قال: دخلت على علي بن ابي طالب ــ قال حسن: يوم الاضحى ــــ فقرب الينا خزيرة فقلنا اصلحك الله لو اطعمتنا هذا البط۔ (ج ۸ ص۳)

خزیرہ ایک خاص قسم کی نمکین لیسی ہوتی ہے جو چوکر سے بنتی ہے۔ قدرتی پھل کا نام نہیں ہے۔

لیکن مترجم محقق نے خربز سمجھ کر خربوزہ ترجمہ کر دیا۔

صحیح بخاری ص۸۱۲ الخزيرة من النخالة والحريرة من اللبن

خزیرہ چوکر سے بنتا ہے۔ اور حریرۃ دودھ سے۔

پھر امام بخاری عتبان بن مالکؓ کی روایت لائے ہیں کہ ان کے گھر آنحضرتؐ مسجد متعین کرنے کے لئے آئے: گھر کے اندر ایک خاص جگہ میں نماز پڑھی اسکے بعد ہے:

فحبسناه على خزيرة صنعناه ہم نے خزیرہ کھانے کے لئے آنحضورؐ

کو روک لیا جو ہم نے بنایا تھا۔

امام نووی شرح مسلم صـ۲۳۳ج ۱ میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر اس میں گوشت بھی ہو تو خزیرہ کہیں گے اور اگر گوشت نہ ہو تو عصیدہ کہلائے گا الخ

لیکن اس کا ترجمہ خربوزہ ایجاد بندہ ہے۔

۱۲ـــ اسکے علاوہ بھی کتاب المرتضیٰ میں دلچسپ خامیاں موجود ہیں۔ اس کے بھی چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

أ حدیث میں ہے خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش۔ یعنی اہل عرب کی عورتوں میں بہتر عورتیں قریش کی عورتیں ہیں۔ جو صحابیؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کو بیان کرتے تو زور سے فرماتے: مریم بنت عمران لم ترکب بعیرا قط: یعنی حضرت مریم علیہا السلام پر قریشی عورتوں کی فضیلت نہیں لازم آتی۔ کیونکہ مریم بنت عمران علیہا السلام کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں، لیکن المرتضیٰ کے محشی صاحب نے ایک انوکھا معنی ایجاد کیا کہتے ہیں: اونٹ پر سوار ہونیوالی عورتوں میں سب سے بہتر کا مطلب ہے شریف زادیاں اور آزاد خواتین" شاید مترجم جیسے لوگ حضرت مریمؑ کو شریف زادیوں اور آزاد خواتین سے خارج سمجھتے ہوں۔

ب ـ دوسری دلچسپ غلطی:۔

المرتضیٰ صـ۳۰۵ میں ہے:

" مجمع " میں سمعان التیمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ اپنی تلوار لیئے بازار کی طرف گئے۔ اور وہاں جا کر کہا: کون مجھ سے یہ تلوار خریدتا ہے؟ .... اھ

یہ " مجمع " کون سی کتاب ہے؟ مجمع الزوائد یا مجمع بحار الانوار جسمیں سمعان التیمی سے روایت ہے؟ اس پر ایک لطیفہ سنیئے۔

استاذ محترم علامہ محمد ابراہیم بلیاوی علیہ الرحمۃ نے سنایا کہ ایک جاہل آدمی حج کرنے گیا۔ جب واپس آیا تو وہاں کے عجائب کو بڑی شان وشوکت سے بیان کرتا تھا، کسی نے پوچھا کہ وہاں پر آپ نے "مقام ابراہیم" بھی دیکھا تھا؟ حاجی صاحب نے جواب دیا۔ دیکھنے کی کیا بات ہے ہم نے تو ان کا وعظ بھی بار بار سنا۔ سائل نے مزاحًا دوسرا سوال کردیا کہ آپ نے "مقام ابراہیم" صاحب کا وعظ بھی سنا؟ تو جواب دیا کہ تم کو کیوں تعجب ہے۔ مقام ابراہیم صاحب ہم لوگوں کو بہت مانتے تھے یہاں تک کہ ہم کو رخصت کرنے حرم شریف کے باہر تک آئے تھے۔

تو جیسے ان حاجی صاحب نے مقام ابراہیم کو آدمی سمجھ لیا تھا اسی طرح سے مترجم نے مجمع بن سمعان التیمی کے مجمع کو کتاب سمجھ کر بین الوادین " مجمع " لکھدیا اور صاحب "انڈکس" نے تو "مجمع بحار الانوار" لکھ کر صریح غلطی کی ہے ؎ وزیرے چنیں شہریارے چناں

البدایہ والنہایہ سے اصل عبارت کو ملاحظہ فرمائیے:

وقال یعقوب بن سفیان:

حدثنا ابوبکر الحمیدی ثنا سفیان ابوحسان، عن مجمع بن سمعان التیمی قال: خرج علی بن ابی طالب بسیفہ الی السوق فقال من یشتری منی سیفی ھذا۔ ج ۸ ص ۳

یعنی سفیان ابوحسان نے مجمع بن سمعان تیمی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ....

ج۔ لایقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و معونۃ عاملہ فھو صدقۃ۔

میرے ورثہ، دینار و درہم آپس میں تقسیم نہیں کریں گے۔ میں نے اپنی بیویوں کے خرچ اور اس کے عامل کی مدد کے علاوہ جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ المرتضیٰ۔ ص ۱۳۷

آخری ٹکڑے کا ترجمہ اس لیئے مہمل ہو اکہ اصل سے ملایا نہیں گیا۔ ورنہ مسند احمد (مرجع کتاب) میں چارجگہ یہ حدیث ہے۔ اور حدیث کی کئی کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ اور ہر جگہ مؤنۃ عاملی ہے "معونۃ" اور "عاملہ" نہیں ہے۔

۱۳۔ ایک اور خامی

"انسان کے اندر خون اور خاندان کے اثرات بڑی حد تک موجود رہتے ہیں" اس نظریہ کو ثابت کرتے ہوئے ایک حدیث کو پیش کیا ہے جو حدیث کی اکثر کتابوں میں ہے لیکن اس حدیث کا آخری ٹکرا کسی "خاص مصلحت" کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اور متداول کتابوں کو چھوڑ کر مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۵ کا حوالہ دیا ہے۔ تو ہم کو خیال گذرا کہ شاید مسند شریف میں وہ ٹکڑا موجود نہ ہو۔ لیکن حیرت ہوئی جب دیکھا کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسند شریف میں اس حدیث کو اسی ٹکڑے کے ساتھ نقل کیا ہے جس طرح عام محدثین نے نقل کیا ہے تو مجبوراً ہم نے مصنف کے اس عمل کو وقتی مصلحت قرار دیا لیکن اصل وجہ تو مصنف محقق ہی بتلا سکتے ہیں۔ وہ حدیث شریف یوں ہے:

الناس معادن کمعادن الفضۃ والذھب

لوگ کانیں ہیں جیسے چاندی اور سونے

خیارھم فی الجاھلیۃ، خیارھم کی کانیں ہوں، ان میں جو لوگ جاہلیت
فی الاسلام۔ کے زمانہ میں ممتاز تھے، وہ اسلام میں
داخل ہونے کے بعد بھی ممتاز رہے، مسند احمد ص ۵۲۵
یہاں تک مصنف نے ذکر کیا۔ اس کے آگے یہ ٹکڑا مسند میں بھی موجود ہے:
" اذا فقھوا " اور بعض طرق میں اذا فقھوا فی الدین بھی ہے۔ یعنی
ممتاز رہنے کی شرط یہ ہے کہ وہ دین میں دانائی اور سمجھ حاصل کریں۔
بخاری اور مسلم میں مختلف الفاظ میں یہ حدیث کئی جگہ موجود ہے! اور
ہماری نظر میں ہر جگہ اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے تو بالفرض اگر یہ ٹکڑا
مسند احمد میں نہ بھی ہوتا تو دوسرے طرق سے یہ شرط ملحوظ مانی جاتی۔
لیکن جب مسند احمد میں بھی یہ شرط موجود ہے تو سوائے کسی خاص مصلحت
کے اور کیا وجہ بن سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے مصنف نے ادھوری بات
نقل کی ؟

(۱۴) ان تیرہ قسم کی خامیوں کے علاوہ کتابت کی غلطیاں بھی کتاب "المرتضیٰ"
میں پائی گئیں ان کی تصحیح کے لیئے ایک صحت نامہ لکھ کر ناشرین نے شائع کیا ہے۔
لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سی غلطیاں رہ گئیں "صحت نامہ" تیار
کرنے والوں کو اس کا لحاظ کر کے ایک مفصل غلط نامہ لکھ دینا چاہیئے۔
چھوٹی بڑی ایک دو غلطیوں کی نشاندہی ہم بھی کر دیتے ہیں۔

صفحہ	غلط	صحیح	کیفیت
۲۸ (حاشیہ)	مسند الامام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۵	مسند الامام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۹	اسمیں مطبع کا بھی فرق ہو سکتا ہے
۱۲۷	بعد نفقۃ نسائی دمؤنۃ عاملہ	بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی	
۱۵۷	حضرت ابو بکر الصدیق کی زندکی	حضرت ابو بکر الصدیق کی زندگی	گاف کا ایک مرکز چھوٹ گیا

صفحہ	غلط	صحیح	کیفیت
۲۶۰	عبداللہ بن دہب الراسدی	عبداللہ بن وہب الراسبی	(ابوداؤد)
۲۷۹	ذلکن لارای لمن یطاع (کو تین بار فرمایا)	ذلکن لارای لمن لایطاع (کو تین بار فرمایا)	لا چھوٹنے کی وجہ سے معنی الٹ گیا۔

ایک پرانا اثر

عرصہ تک مصنف مدظلہ، علامہ مودودی کی قائم کردہ جماعت "بنام جماعت اسلامی" کے سرگرم کارکن بلکہ اس کی مجلس انتظامیہ کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ بعد میں اس جماعت سے علیٰحدہ ہوئے تو جماعت سے ضابطہ کا تعلق اگرچہ نہیں رہا مگر "رفقائے جماعت" سے دوستانہ وعزیزانہ تعلقات، اور برابر ایک دوسرے کا احترام اور اعتراف برقرار رہا علیٰحدگی کے بعد "عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" نام کا ایک کتابچہ لکھ کر علامہ مودودی صاحب کے بعض افکار ونظریات سے اختلاف کیا ہے۔ مگر "عنفوان شباب" میں علامہ مودودی صاحب سے مصنف کے اندر جو مودودیت کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ وہ "دین کی تفہیم وتشریح" کے بعد بھی ختم نہیں ہوئے، مصنف مدظلہ نے "پرانے چراغ" حصہ دوم میں ص ۳۰۴ مطبوعہ ۱۹۸۰ء اعتراف کیا ہے:

"میں نے ان کی کتابوں اور تحریروں (علامہ مودودی کی) بہت استفادہ کیا اور میری تحریر میں اس کا رنگ آیا"

یہ رنگ محض طرز تحریر اور اسلوب نگارش ہی میں نہیں ہے بلکہ "المرتضیٰ" میں رنگ افکار ونظریات میں بھی مودودی صاحب کے ہم آہنگ ہے پہلے مودودی صاحب کی عبارت ملاحظہ کیجئے جس میں انہوں نے اصول حدیث اور اسناد حدیث پر نقد کیا ہے۔ ترجمان القرآن ج ۴ ص ۱۱۱ کے حوالہ سے تحفہ مودودیہ میں ہے:

"اصول روایت کو تو چھوڑیئے کہ اس دورِ تجدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا ہے .... اسناد کے علاوہ ایک اور کسوٹی بھی تھی جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے .... جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جسکی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ .... وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایت کو دیکھ کر اسکی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا فعل اور کون سا قول میرے سرکار کا ہو سکتا ہے .... اس مقام پر پہونچ جانے کے بعد انسان اسناد کا بہت زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد لیتا ہے، مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا، وہ بسا اوقات ایک غریب منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو لے لیتا ہے۔ اس لیئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے، اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ متصل السند، مقبول حدیث سے بھی احتراز کر جاتا ہے اسلیئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ چیز ذوقی ہے ضابطہ کے تحت نہیں آتی۔"

مودودی صاحب کی بات ختم ہوئی۔

دیکھئے اس میں علامہ صاحب نے احادیث کے رد و قبول کا معیار اپنے اعلیٰ

ذوق کو قرار دیا۔ اور اپنی بصیرت کو جوہری کی بصیرت سے تشبیہ دیکر یہ دعویٰ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ اس کی بصیرت اسے خود بتا دے کہ کون سا قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو سکتا ہے، اسناد کی بہت زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔

اب اس کتاب "المرتضیٰ" میں اس نظریہ کی ہم آہنگی تاریخ و سیرت کے بارے میں ملاحظہ فرمایئے اس میں سے ایک کلام تو وہی ہے جس کو ہم احمد حسن الزیات کی بات مصنف مدظلہ کی تنقید لاطائل میں لکھ چکے ہیں:

لیکن ایک صاحب بصیرت ناقد جس کو اس عصر کی زبان و اسلوب سے واقفیت اور اس کا ذوق ہے، وہ جانتا ہے کہ علی کو استثنائی طور پر کیا وہبی صلاحیتیں اللہ نے عطا کی تھیں، اور انسانی نفوس کے کیا تجربات ان کو حاصل تھے، زندگی کے سرد وگرم کا انہیں کس درجہ تجربہ تھا، جس کو یہ معلوم ہے، وہ بآسانی تمیز کر سکتا ہے کہ کون سا کلام ان کے شایان شان ہے۔ اور کون سا نہیں، اور ان باتوں کو بآسانی تمیز کر سکتا ہے جو ان کی جانب منسوب ہیں، انہی خطبات و رسائل میں سے تو واقعی انہی کا کلام ہو سکتا ہے، ہم نے اپنی کتاب میں استشہاد کیا ہے۔ متعدد مستند ادبی مجموعات مثلاً" الکامل از المبرد" "العقد الفرید از ابن عبد ربہ"

اور جاحظ کی "البیان والتبیین" میں بھی یہ عبارتیں آئی ہیں،،

المرتضیٰ صـ ۲۸۸

یہاں مصنف مدظلہ نے علامہ کی ہم آہنگی پر عمل کر کے دکھلا دیا کہ سند خواہ کیسی ہو، ذوق عربیت اور اس زمانہ کی زبان و اسلوب سے واقفیت کی

بنیاد پر یہ فیصلہ کر دیا کہ واقعی یہ حضرت علی رضی ہی کا کلام ہو سکتا ہے "
قارئین کرام کو ہم تنقید کے پانچویں نمبر پر "الکامل" کی ایک عبارت دکھلا چکے ہیں جس کو مصنف نے زبان و اسلوب کی واقفیت کی بنیاد پر المرتضیٰ ص۲۷۹ میں حضرت علی ہی کا کلام سمجھ کر نقل کیا ہے کہ وہ عبارت مصنف کے اس بیان سے متعارض ہے جو بقول ان کے صحیح روایت ہے، مزید برآں مصنف کی "صحیح روایت" المرتضیٰ ص۶۳ کی ایک عبارت سے بھی ٹکراتی ہے کیونکہ ان دونوں عبارتوں کا تقاضا یہی ہے کہ بعثت نبویؐ کے وقت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ سال سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو سکتی پس اس وقت ان کی عمر کو دس سال قرار دینا کس طرح صحیح روایت کے بموجب ہو سکتا ہے؟

دوسری ہم آہنگی: علامہ مودودی نے افتادہ پتھر میں ہیرے کی جوت دیکھ کر ایک منقطع السند حدیث کے لے لینے کا مشورہ دیا ہے۔ تو مصنف المرتضیٰ نے بھی ص۷۱ میں اسی طرح الطبقات الکبری کے ایک منقطع الاسناد اثر قتادہ میں ہیرے کی جوت دیکھ کر فیصلہ کر دیا کہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے حامل (مصعب بن عمیر نہیں) علیؓ بن ابی طالب تھے۔

تیسری ہم آہنگی: "سخنہائے گفتنی" میں مصنف مدظلہ نے فن تاریخ کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا:

" اس کی مثال ایک منہدم قصر کی ہے، جو کھنڈر کی شکل میں ہو اس کے ملبہ کے نیچے وہ سب کچھ مل سکتا ہے جس کی کسی طالب صادق اور جویائے حق کو ضرورت پڑ سکتی ہے"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:
وہ شخص جو خود اس ملبے کے نیچے دبے ہوئے اثاثہ کو تلاش نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کے تلاش کردہ اثاثہ پر اعتماد کرتا ہے، اور اس

زمانہ کی تصویر دیکھنا چاہتا ہے جب قصر آباد تھا، ہر شی اپنی جگہ پر تھی،
قصر جمال وشکوہ کا آئینہ دار تھا، وہ تاریخ کا حق ادا نہیں کر سکتا، اور
کھنڈر سے وہ جواہرات نہیں برآمد کر سکتا جن سے قصر کے نقش ونگار اور آرائش
وجمال کا صحیح اندازہ ہو سکے،، المرتضیٰ۔ ص ۱۵

یعنی اگلے محققین نے تاریخ کے جن اوراق کو جمع کیا اور روایات کو اسناد
کے میزان پر تول کر قابل اخذ چیزوں کو لے لیا۔ اور ساقط الاعتبار باتوں
کو ساقط کر دیا، جب تک ان گری پڑی چیزوں کو کوئی مورخ نہ اٹھالے، اگرچہ
عرصہ دراز تک ویران رہنے والے قصر کے کھنڈرات میں کوڑا کباڑ پھینکتے وقت
لوگوں نے دوسری چیزوں کو بھی ڈال دیا ہو مگر یہ اٹھانے والا اس یقین کے ساتھ
نہ اٹھالے کہ یہ سب اسی قصر شکستہ کے ملبہ اور اثاثہ ہیں جن سے قصر مزین تھا،
وہ تاریخ کا حق ادا نہیں کر سکتا، حق تو وہی ادا کر سکتا ہے جو کسی منقطع الاسناد
بات کو، اور کسی الحاقی چیز کو جس سے عظمت رفتہ پر رنگ وروغن چڑھتا ہو
لے لے اور اپنے ذوق کی بنیاد پر یقین کرلے کہ واقعی یہ اسی قصر کا اثاثہ ہے۔

مثلاً الشریف الرضی اور ابن ابی الحدید معتزلی شیعی راوی کی بیان کردہ
مافوق العادۃ کو حضرت علیؓ کا واقعی کلام قرار دیدے، یا حضرت معاویہؓ کے
خاندان کی منقصت بیان کر دے تو جو اس کو قبول کرے وہ ہی تاریخ کا حق
ادا کر رہا ہے:

اس کی مثال المرتضیٰ ص ۱۵۲ میں ابن ابی الحدید کی عبارت ملاحظہ فرمائیں
ہم اس فضول بات کو نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

حضرت معاویہؓ کا مقام و مرتبہ

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ہے، اس کا بہترین اردو ترجمہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، جس کا نام کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء ہے اس میں امام دہلوی رح نے ایک مستقل تنبیہ قائم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل تحریر فرمائے ہیں اسکی ابتداء یں ہے:

تنبیہ سوم: باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکی از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم، زنہار در حق او سوء ظن نہ کنی، و در ورطۂ سبّ او نہ افتی تا مرتکب حرام نہ نشوی۔ ازالۃ الخفا ص ۲۴۶ ج ۱ طبع ۱۳۹۶ھ سہیل اکیڈمی۔ لاہور۔

تیسری تنبیہ: جاننا چاہیئے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک شخص تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اور زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں بڑے صاحب فضیلت تھے، تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا۔ ورنہ تم حرام کے مرتکب ہو گے۔ ترجمہ امام اہل سنت۔ ص ۲۱۶ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۲۹ھ

امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب قدس سرہ یہ ترجمہ کرنے کے بعد یوں تحریر فرماتے ہیں:

مصنف نے بوجہ اس بحث کے ضمنی ہونے کے بنظر اختصار صرف پانچ فضیلتیں حضرت معاویہؓ کی ذکر فرمائی ① ان کا صحابی ہونا ② ان کے لیئے جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاح دارین کی دعا مانگنا ③ دریا کے جہاد اول کی فضیلت میں ان کا داخل ہونا ④ ان کا کاتب جناب نبوت ہونا ⑤ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا ان کے دل میں جاگزیں ہونا۔ اس سے زیادہ فضائل معلوم کرنا چاہو تو کتاب تطہیر الجنان مؤلفہ ابن حجر کی دیکھو۔"

حضرت امام دہلوی نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے امام اہلسنت رح تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوءِ ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں۔ اول رافضی، خیر ان کا سوئے ظن چنداں جائے تعجب نہیں کیوں کہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوئے ظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام امت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔ دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی رض کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ رض کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں۔ مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے امور اصول و فروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں۔ اور فرقہائے شیعہ میں داخل ہیں۔ تیسرا گروہ اس زمانے کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ کے مطاعن ان کی نظر سے گذرے اب بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی۔

ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا۔"

مخلصانہ گذارش اسلیئے عام مسلمانوں سے پرخلوص گذارش ہے کہ "المرتضیٰ" جیسی کتابوں میں جہاں اس قسم کی بحثیں آئیں جن میں کسی بھی صحابی رسول کی شان میں عیب گیری ہو، اس وقت اپنی سلامتی کو مدنظر رکھ کر ان دونوں اماموں کے اس مضمون کو پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کر لیں،

اسی طرح محمود عباسی کی کتاب "معاویہ ویزید" جس میں خانوادہ نبوت پر الزام آتا ہے، یا "خلافت وملوکیت" جیسی کتاب جو بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے سوء ظن پیدا کرتی ہے، اگر کبھی اتفاق سے پڑھنی پڑ جائے تو اس آخری مضمون کو ضرور دیکھ لیں۔ اور "حکایات صحابہ" کے خاتمہ کو ضرور پڑھ لیا کریں جسکی نشاندہی ہم نے تنقید کے باب ۹ کے ۵ میں کر دیا ہے۔ کہ آخرت میں ان اصحاب خیار رضی اللہ عنہم کے سامنے ذلت ورسوائی نہ ہو۔

واللہ ولی التوفیق وآخر دعونا أن الحمد للہ رب العلمین۔

خانقاہ منعمیہ قمریہ

ملا میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی - ۸

"حدیث افک" پر اعتراضات کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ! محرم الحرام ۱۴۳۰ھ کے دوسرے ہفتہ میں میرے دو عزیزوں[1] نے بتایا کہ:

"جناب شبیر احمد صاحب ازہر میرٹھی سابق استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور مقیم حال جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ نے حدیثِ افک کا انکار کیا ہے اور مراسیل زہری سے قرار دے کر اس کی تغلیط کی ہے۔"

موصوف سے میری ملاقات قصبہ سرائے میر ضلع اعظم گڈھ میں اس وقت ہوئی تھی جب میں مدرسہ "الاصلاح میں حدیث پاک کی خدمت پر مامور تھا اور موصوف مسند احمد ابن حنبل کے ایک مختصر حصہ کی شرح لکھ کر منظر عام پر لا رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کی علمی صلاحیت کا مجھے اندازہ تھا، تو عزیزان موصوف کو میں نے اجمالاً یہ بتا دیا کہ حدیث افک کو صرف امام زہری ہی عروہ بن الزبیر سے نقل کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ہشام بن عروہ بھی اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں، پس اس حدیث کو مراسیل زہری سے قرار دے کر صحت کا انکار قابل قبول نہیں۔

امام زہری، اور ہشام بن عروہ دونوں کی جلالتِ شان محدثین کرام کے نزدیک مسلّم ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمۂ صحیح مسلم میں لکھا ہے:

فاما من تراہ یعمد لمثل الزہری	سو جسے تم دیکھو کہ ایسے شخص کا قصد کر رہا ہے
فی جلالتہ وکثرۃ اصحابہ الحفاظ	جو زہری جیسا ہو ان کی جلالت شان میں اور ان کے

[1] مولوی حافظ فہیم الدین اصلاحی، مولوی طاہر اعظمی خریج جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ مدرسین جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڈھ۔

المتقنین لحدیثہ وحدیث غیرہ اولمثل حدیث ھشام بن عروۃ و حدیثھما عند اھل العلم مبسوط مشترک قد نقل اصحابھما عنھما حدیثھما علی الاتفاق منھم فی اکثرہ۔ (صحیح مسلم ھندی ص۴)

ایسے تلامذہ کی کثرت میں جو سب حافظ حدیث ہیں اور زہری وغیرہ زہری کی حدیث کو پختہ یاد کرنے والے ہیں۔ یا ہشام ابن عروہ جیسے کی حدیث کا قصد کر رہا ہو کہ ان دونوں کی حدیثیں اہل علم کے نزدیک پھیلی ہوئی اور مشترک ہیں، ان دونوں سے ان کے اصحاب نے اس طرح نقل کیا ہے کہ وہ سب لوگ اکثر حدیثوں کے نقل کرنے میں متفق ہیں۔

پس اگر یہ دو جلیل القدر امام مجروح ہو جائیں تو ذخیرۂ حدیث غیر مستند بلکہ دو تہائی حدیثیں غیر معتمد ہو جائیں گی، اس طرح ذخیرۂ حدیث پر سے اعتماد اٹھ جائیگا، لیکن یہ اجمالی جواب ہے، پہلے اصل مضمون دیکھا جائے اس کے بعد کوئی صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے۔" تو ان دونوں عزیزوں نے ازہر صاحب کی جدید تخلیق تفسیر سورۂ نور میرے پاس بھیج دی، اس کو دیکھنا شروع کیا تو دیباچہ میں یہ تحریر ملی:

"افک سے متعلق آیات کی تفسیر پھر اس کے ذیل میں حدیث افک کی تحقیق نئی چیز تھی، اہل علم و نظر کو چونکا دینے اور ان کے دل و دماغ کو اپیل کرنے والی"

پھر چار عالموں کے بارے میں لکھا ہے (جن میں دو فضلائے ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں اور ایک فاضل دیوبند اور ایک فاضل مدرسۃ الاصلاح) کہ انھوں نے موصوف کی نئی تحقیق کو ملاحظہ فرمایا ہے، اور ان میں سے تین صاحبوں نے اس کو بے حد پسند فرمایا، اس لئے میں نے بھی تفسیر میں سے خاص اس "نئی تحقیق" کا بنظر غائر مطالعہ کیا، مصنف کے حسب توقع میں بھی چونک پڑا، لیکن الحمد للہ اس جدت طرازی سے میرے دل و دماغ متاثر و مسموم نہیں ہوئے، بلکہ ناقص عقلیت پسندی کی بنیاد پر صحیحین کی متفق علیہ حدیث

کو رد کرنے کی بیجا کوشش سے مجھے انتہائی تکلیف پہنچی۔

ا۔۔۔ ایسا محسوس ہوا کہ مصنف نے حدیث افک کی تحقیق میں نہ صرف دھوکہ کھایا ہے بلکہ مغالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے، مثلاً

ام رومانؓ کی حدیث کو رد کرتے وقت ان کے وفات کی تعیین میں صحیح قول کو ترک کر دیا ہے اور ضعیف روایت پر اپنی نئی تحقیق کی بنیاد قائم کی ہے، اور اس بارے میں تفسیر ابن کثیر سے حدیث افک پر خطیب بغدادی کا اعتراض تو نقل کر دیا جو قول ضعیف پر مبنی ہے، اور پورے وثوق سے صحیحین کی اس حدیث کو گھڑی ہوئی قرار دیدیا، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری تفسیر سورۂ نور میں خطیب کا اعتراض اور اس کا جواب دونوں نقل کیا ہے جو مصنف کی نظر سے یقیناً گذرا ہوگا، اس لئے لازم تھا کہ ابن حجرؒ کے جواب پر اپنی تنقید پیش کرتے پھر جو چاہتے دعویٰ کرتے، مگر ایسا نہیں کیا اور مغالطہ دینے کے لئے اپنے سے پہلے اہل علم کی رائے کا توافق ظاہر کر دیا اور اس کی مدلل تردید کو مطلقاً ہاتھ نہ لگایا، صحیح بات یہ ہے کہ ام رومانؓ کا انتقال حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوا اس لئے مسروق نے براہ راست ان سے حدیثِ افک کو پوچھ کر نقل کیا ہے اور سألت ام رومان کہنا بجا ہے اس کو سئلت ام رومان بنا کر انقطاع کو ثابت کرنا محض قیاس آرائی ہے اور خطیب نے جو ان کی وفات کا سال ۶ھ بتایا ہے وہ غلط ہے، کیونکہ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی، اس وقت ام رومانؓ باحیات تھیں، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

فلا علیك ان لا تعجلی حتی تستامری ابویك	میں تم کو آیت تخییر سناتا ہوں تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم جلد بازی نہ کرو یہاں تک
(بخاری کتاب التفسیر ص۷۰۶ و کتاب الطلاق ص۷۹۲)	کہ اپنے باپ اور ماں سے مشورہ کر لو۔

اور اگر بالفرض سألت کو ایک جگہ ص۷۰۹ میں سئلت بنا دیا جائے، تو ص۵۹۷

میں کون سی قیاس آرائی چلے گی وہاں پر تو یوں ہے عن ابی وائل قال حدثنی مسروق بن الاجدع قال حدثتنی ام رومان وھی ام عائشۃ۔ ۹

۲۔ اور جیسے ابو اسامہ اور زہری کی حدیث کے درمیان تضاد دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"زہری کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضؓ، ان کے والدین اور ایک انصاری عورت کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کے گھر میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں، لیکن ابو اسامہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ اپنے والد کے یہاں پہونچیں تو حضرت ابوبکر نے انھیں واپس جانے کی سخت تاکید کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں واپس آگئیں۔" دوسرے دن صبح کو ابوبکر وام رومان دونوں ان کے یہاں پہونچ گئے"۔ پس ابو اسامہ کی روایت کے مطابق یہ آیات خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اتری تھیں۔"

اس مغالطہ کی توضیح کے لئے ہم پہلے دونوں سندوں کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے یہاں پر تقابل زہری اور ابو اسامہ کے درمیان نہیں ہے، بلکہ زہری اور ہشام کے درمیان ہے، مگر مفسر صاحب نے اس لئے ابو اسامہ کا نام لیا ہے کہ اس روایت کو آسانی سے تعلیق قرار دے کر حدیث کی حیثیت کو کمزور کر دیں جیسا کہ بلا دلیل دوسری مسند روایت کو مراسیل زہری بتا کر رد کرنے کی کوشش بارہا کر چکے ہیں، ملاحظہ ہو:

۱۔ حدثنا ابو الربیع سلیمان بن داؤد حدثنا فلیح بن سلیمان عن ابن شہاب الزہری عن عروۃ۔ (بخاری ص ۳۶۳)

۲۔ حدثنا یحیی بن بکیر حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ، (بخاری ص ۶۹۶)

۳۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قال ابو اسامة عن هشام بن عروة قال اخبرني ابي عن عائشة ، (بخاری ص۶۹۹)

۴۔ حدثنا محمود بن غیلان ثنا ابو اسامة عن هشام بن عروة قال اخبرني ابي عن عائشة ، (ترمذی تفسیر سورۃ النور ج۲ ص۱۴۵)

۵۔ حدثنا ابو الربيع حدثنا فليح عن هشام بن عروة عن عروة بن الزبير عن عائشة وعبد الله بن الزبير مثله ، (بخاری ص۳۶۵)

مدار سند ہشام بن عروہ کے والد عروہ ابن الزبیر ہیں جو حضرت عائشہ رضی سے واقعۂ افک کو نقل کرتے ہیں ، اب پہلی اور دوسری سند میں عروہ کے شاگرد زہری ہیں ، اور تیسری ، چوتھی اور پانچویں سند میں ان کے شاگرد خود ان کے لڑکے ہشام ہیں تو انھیں دونوں شاگردوں میں تقابل ہوگا نہ کہ ہشام کو شاگرد ابو اسامہ اور عروہ کے شاگرد زہری کے درمیان ۔ اور بخاری نے ہشام کی تفصیلی روایت کو تعلیقاً ابو اسامہ سے نقل کیا ہے ۔ لیکن امام ترمذی نے اس کو محمود بن غیلان کے واسطہ سے ابو اسامہ کے ساتھ متصل کر دیا ہے ، اور محمود بن غیلان امام بخاری کے براہ راست شیخ بھی ہیں ، اس لئے یہ حدیث ان کی شرط پر ہوئی ، چنانچہ باب بنیان الکعبہ ص۵۴۲ وغیرہ میں محمود بن غیلان کی روایت موجود ہے ، اگرچہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہشام کی اس روایت کو تعلیقاً نقل کر دیا ہے ، مگر ہشام کی تفصیلی روایت جس میں ابو اسامہ نہیں آتے ، زہری کی اسی حدیث کے متصلاً نقل کرتے ہیں ، مگر متن کو چونکہ زہری کے الفاظ میں ابھی بیان کر چکے ہیں (حدیث ۱ میں) اس لئے صرف پوری سند متصل لا کر مثلہ فرما دیا (حدیث ۵ میں) پھر پہلی اور پانچویں سند کو بغور دیکھئے کہ عروہ کے تلمیذ اول امام زہری اور تلمیذ ثانی ہشام بن عروہ دونوں ہی سے فلیح بن سلیمان روایت نقل کرتے ہیں اور دونوں سندیں متصل ہیں ، لیکن ابو اسامہ کی روایت کو بخاری نے

تعلیقاً نقل کیا ہے، مگر ترمذی کی تخریج نے اس کو علیٰ شرط البخاری بنا دیا، اور ابو اسامہ تنہا ہشام سے اس حدیث کی روایت کرنے والے نہیں ہوئے بلکہ فلیح بن سلیمان بھی ان کے متابع موجود ہیں، جیسا کہ پانچویں سند کو ہم نے اوپر صحیح بخاری سے نقل کر دیا،

آیات افک کہاں نازل ہوئیں؟ مصنف نے اپنی تحقیق نہیں پیش کی، صرف تضاد بیانی کو بنیاد بنا کر حدیثِ افک کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا "ہشام بن عروہ (اور بقول مصنف ابو اسامہ) کی روایت کے مطابق خود آنحضور کے گھر اتری تھیں، اور زہری کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکر کے گھر یہ آیات نازل ہوئی تھیں، لہٰذا تضاد بیانی کی وجہ سے پوری حدیث ناقابل اعتبار ہے"

ہمارے نزدیک غلط فہمی کی بنا پر یہ بات مصنف لکھ گئے ہیں، مصنف کو دھوکہ یہاں سے ہوا کہ معاملہ کی تحقیق کرنے کی غرض سے حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر والدین کے گھر گئی ہیں، ام رومان نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ان کی دلجمعی فرمائی ہے، یہاں تک مضمون دونوں حدیثوں میں ہے، اس کے بعد زہری کی روایت میں اختصار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے واپسی کا ذکر نہیں بلکہ دوسری باتیں مذکور ہیں، یعنی حضرت علیؓ وغیرہ سے بطور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحقیق حال فرمانا اور "ابو اسامہ" (بلکہ ہشام) کی روایت میں واپسی کا تذکرہ بھی ہے، پس ایک روایت یہاں واپسی کے ذکر سے ساکت ہے اور دوسری روایت میں اس کا بھی ذکر ہے، لہٰذا یہ تضاد بیانی نہیں ہوئی تضاد بیانی تو اس وقت ہوتی جب زہری کی روایت میں گھر واپس آنے کا انکار ہوتا، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ جملہ خود زہری کی روایت میں بھی موجود ہے:

فاصبح عندی ابوای ... فبیناھما جالسان عندی وانا ابکی اذا استاذنت امرأة من الانصار فاذنت لھا فجلست تبکی معی فبینا نحن کذلک اذ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلس ۔ (بخاری کتاب الشہادۃ ص۳۶۵)

اورکتاب المغازی ص۵۹۵ میں ہے واصبح ابوای عندی وقد بکیت لیلتین ویوما .... فبینا ابوای جالسان عندی وانا ابکی فاستاذنت علی الخ ۔ اور کتاب التفسیر ص۶۹۷ میں بھی زہری کی روایت بعینہ اسی طرح ہے ، اس کا خلاصہ بھی وہی ہے جو ابواسامہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ" دوسرے دن صبح کو ابوبکر اور ام رومان دونوں حضرت عائشہ کے گھر پہنچ گئے "، پس زہری کی روایت کے مطابق بھی یہ آیات خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اتری تھیں ، بخاری کی کسی بھی روایت میں یہ نہیں ہے کہ: فاصبحت عند ابوی میں نے اپنے ماں باپ کے گھر میں صبح کی ، بلکہ میرے والدین میرے گھر صبح پہونچ گئے ۔ اسی طرح زہری کے کسی طریق میں یہ بھی نہیں ہے کہ اگلے دن عصر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں یہ آیتیں اتریں ، البتہ حضرت ابوبکر ، حضرت عائشہ ، انصاریہ عورت ، تینوں کے سامنے یہ آیتیں ضرور اتری ہیں ، آنحضور کے گھر میں ابواسامہ ، اور زہری کی تمام حدیثوں میں ۔

۲ــــ ہم نے فاضل محقق کے دھوکہ کھانے اور مغالطہ دینے کی یہ دو مثالیں پیش کردی ہیں ، اس قسم کی باتیں پورے مضمون میں پھیلی ہوئی ہیں ، اب ہم سورۂ نور کے بارے میں جو بنیادی بات ہے اس کو پیش کرتے ہیں ، اگرچہ تفصیلی روایتوں میں بقول مصنف علت خفیہ بھی ہو تو مفسرین و محدثین کے اجماعی فیصلہ اور بنیادی بات پر کچھ فرق نہیں پڑتا ۔

اور وہ بنیادی بات یہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَۃٌ جملہ آیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برارت ثابت کرنے کیلئے اتری تھیں اور وہ متعین افک وبہتان جس کا بالافك معہود میں ذکر ہے، خاص ام المومنین کی ذات پاک پر ہی منافقین نے باندھا تھا، کیونکہ اس کے بیان کرنے والے صرف زہری اور ابواسامہ ہی نہیں اور نہ اس کی روایت کرنیوالی تنہا حضرت عائشہ رضہ کی ذات عالیہ ہے، بلکہ سات (۷) دوسرے صحابہ سے بھی یہ روایت کسی نہ کسی طرح مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضہ پر بہتان باندھا گیا اور ان کی برارت ظاہر کرنے کے لئے سورۂ نور کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

صاحب فتح القدیر (فی التفسیر) نے ان الذین جاء وا بالافك سے لیکر واللہ سمیع علیم تک کی تفسیر میں لکھا ہے:

اجمع المسلمون علی ان المراد بما فی الاٰیۃ ما وقع من الافك علی عائشۃ ام المومنین۔ (ج ۴ ص ۱۲)	تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آیات میں جو افک کا ذکر ہے اس سے مراد وہ بہتان ہے جو حضرت عائشہ ام المومنین پر پڑا تھا،

اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے صفوۃ التفاسیر، ج ۲، ص ۳۲۸ میں بھی مسلمانوں کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس اجماع کے بعد کوئی شخص ناقص عقلیت پسندی کے زعم میں سرے سے واقعہ ہی کا انکار محض ظن کی وجہ سے کردے پھر کوئی بھی اس کو تحقیق کا نام دیدے تو وہ محض ستم ظریفی ہے، مزید تردید کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی ہم چند شواہد تبرعاً پیش کر دیتے ہیں:

(الف) حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضہ کی عیادت کرنے تشریف لے جاتے ہیں تو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فانت مخیر ان شاء اللہ زوجۃ	انشاء اللہ آپ کے لئے خیریت ہی ہے، آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینکح بکراً غیرک ونزل عذرک من السماء (بخاری تفسیر سورۃ النور ص۶۹۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ پاک ہیں، آپ کے سوا حضرت ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور آپ کا عذر آسمان سے اترا۔

اگر حضرت صدیقہ پر بہتان نہیں باندھا گیا تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی کو خطاب کر کے کس بات کو کہہ رہے ہیں؟ "آپ کا عذر آسمان سے اترا"۔

(ب) عن ابن ابی ملیکۃ عن عائشۃ کانت تقرأ اذ تلقونہ بالسنتکم، وتقول الولق الکذب. قال ابن ابی ملیکۃ: وکانت اعلم من غیرھا بذلک لانہ نزل فیھا

ابن ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت صدیقہ اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ کو اِذْ تَلِقُوْنَہٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ پڑھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ وَلْق کذب بیانی کو کہا جاتا ہے، یعنی تم لوگ اپنی زبانوں سے جھوٹی بات بول رہے تھے، یہ قرارت قرارت شاذہ ہے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ اس کو سب سے زیادہ جانتی تھیں، کیونکہ انھیں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے، (صحیح بخاری کتاب المغازی ص۵۹۷ ج۲ ہندی)

(ج) صحیح بخاری تفسیر سورۃ احقاف میں بذیل والذی قال لوالدیہ اف لکما متصل سند سے ایک واقعہ مذکور ہے، اور اس سند میں نہ ہشام بن عروہ آئے ہیں نہ امام زہری، واقعہ یہ ہے کہ مروان جو حضرت معاویہ رضی کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا۔ اس نے حضرت معاویہ رضی کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت خود حضرت معاویہ کی زندگی میں لینی چاہی تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (حضرت عائشہ کے بھائی) نے اس حرکت پر نکیر کی تو گورنر

نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اس کو گرفتار کرو! عبدالرحمن جلدی سے اپنی بہن ام المومنین کے گھر میں چھپ گئے، تو مروان کھسیا کر لوگوں سے کہنے لگا کہ عبدالرحمن وہ شخص ہے جو کفر کی وجہ سے اپنے ماں اور باپ کے لئے وبالِ بنا ہوا تھا وہ دونوں خدا سے فریاد کر رہے تھے، اور اسی کے بارے میں یہ آیت اللہ نے اتاری:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدَانِنِیْ الاٰیۃ فَقَالَتْ عَائشۃُ من وراء الحجاب ما انزل اللہ فینا شیئا من القرآن الا ان اللہ انزل عذری، (صحیح بخاری ص۷۱۵)

توحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے سے بولیں: ہم اولاد ابوبکرؓ کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت اللہ نے نہیں اتاری صرف میرے عذر کو نازل فرمایا۔

حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جس کو یوسف بن ماہک نے نقل کیا ہے (نہ زہری نے نہ ہی ابواسامہ نے) صریح ہے کہ واقعۂ افک جس کی صفائی اللہ نے نازل فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی متعلق ہے۔ اور یوسف بن ماہک نے براہ راست حضرت عائشہؓ سے سُنا ہے۔

(د) جامع ترمذی ص ۱۴۹ ج ۲، ابوداؤد کتاب الحدود ص ۶۱۳ میں ہے:

ان ابن ابی عدی حدثھم عن محمد ابن اسحق عن عبداللہ بن ابی بکر عن عمرۃ عن عائشۃ قالت: لما نزل عذری قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فذکر ذلک

عمرہ بنت عبدالرحمن عائشہ ام المومنین سے نقل کرتی ہیں کہ جب میرا عذر نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے سو اس عذر کو بتایا اور

وتلا القرآن. فلما نزل امر	قرآن کی تلاوت فرمائی، پھر جب منبر سے
برجلین وامرأة فضربوا	اترے تو دو مردوں اور ایک عورت
حدهم، اھ	کے بارے میں (حد لگانے کا) حکم فرمایا،

سو ان سب کو ان کی حد لگائی گئی (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ ص۱۸۷)

اس روایت میں بھی حضرت عائشہ کا نزول عذری میری صفائی نازل ہوئی تصریح ہے کہ خود حضرت عائشہ پر ہی بہتان تراشی ہوئی تھی۔ یہ حدیث حسن ہے ابن اسحق اس میں متفرد ہیں،

مصنف موصوف نے اس حدیث پر یوں تنقید کی ہے:

"رہی ان تینوں کو حد قذف لگنے کی بات، تو یہ
ابن اسحق کی اناپ شناپ باتوں میں سے ایک ہے"،

لیکن امام بخاری پورے وثوق کے ساتھ اس کو بجا و درست مانتے ہیں، اور باوجودیکہ بخاری کی شرط کے موافق نہیں ہے پھر بھی اس کو حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں، دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاعتصام ص۱۰۹۵،

وشاور علیا واسامة فیما	بہتان تراشوں نے حضرت عائشہؓ پر
رمی به اهل الافك عائشة	جو طوفان اٹھایا تھا اس میں آنحضرتؐ
فسمع منهما حتی نزل القرآن	نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ
فجلد الرامین ولم یلتفت	لیا، ان دونوں کی رائے سنی، یہاں تک کہ
الی تنازعهم ولکن حکم	قرآن نازل ہوا تو بہتان لگانے والوں کو
بما امره الله۔	حد لگائی، اور ان کے جھگڑے کی ذرا بھی

پروا نہ کی، اور ہاں خدا نے جو حکم دیا تھا اس کا فیصلہ کر ہی دیا۔

کیا اناپ شناپ باتوں کو اس قوت اور وثوق کے ساتھ دلیل میں پیش کیا جاتا ہے؟ پھر اگر ان دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف

نہیں لگائی گئی تو کیسے لگائی گئی، تاریخ اور حدیث کے ذخیرہ میں کسی اور کا نام ملتا ہے؟ اسلام تو عملی مذہب ہے صرف نظریاتی تو نہیں ہے کہ حکم الٰہی حد قذف کا آئے اور اس پر عمل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ دکھلائیں جبکہ اس سے بڑے اور چھوٹے جرم پر عملاً حد جاری کر کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلا دیا مثلاً حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور غامدیہ رضی پر حدِ زنا لگنے کا بیان حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے، فاطمہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا پر حد سرقہ قائم کر کے عملاً نمونہ دکھلا دیا گیا، عرنیین پر ارتداد اور قطع طریق کی حد لگائی گئی، نعیمان یا ابن النعیمان پر شرب خمر کی حد لگی تو حد قذف کا صرف حکم ہی آیا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اس پر عمل نہیں کیا گیا؟ اور جن لوگوں نے عمل کی روایت نقل کی ان کی باتیں اناپ شناپ ہیں؟

۴۔ اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں جن کو مفتاح القرآن تفسیر سورۃ النور کے مصنف نے اس حدیث پر وارد کیا ہے، لکھتے ہیں:

"لیکن میں وثوق ویقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ روایات قطعاً غلط ہیں، روایات کو پرکھنے کے جو اصول محدثین اور اہل علم کے نزدیک طے شدہ ہیں ان کی رو سے بھی ان روایات کو غلط کہنا پڑتا ہے...... اولاً میں ان روایات پر نقدِ احادیث کے مسلمہ اصول وضوابط کی روشنی میں بحث کروں گا۔ اس کے بعد ان روایات کے اصل مصنفین اور وجہ تصنیف پر روشنی ڈالوں گا۔"

پھر ۲۵ صفحات تک عقلی اشکالات وارد کرنے کے بعد ص۶۶ میں بزعم خود محدثین کے اصول اسناد کے مطابق ان احادیث کی جانچ شروع کی ہے۔

پہلا اعتراض حدیث افک پر پہلا اعتراض یہ کرتے ہیں:

ابن شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن المسیب سے

سُنا ہے، اور کچھ عروہ بن الزبیر سے، کچھ علقمہ بن وقاص لیثی سے کچھ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے ...... پس اس اسناد میں دو قصور ہیں اوّل یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں، اور زہری نے ان کا نام بتایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں، لیکن انہیں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی۔ پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول، اور یہ ضعف کے اسباب میں سے ایک

• دوسرا قصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں کہ اس نے خود ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا تھا۔

(تفسیر سورۃ النور ص ۶۷)

معترض کی یہ دونوں باتیں "نقد احادیث کے مسلمہ اصول" کے خلاف ہیں، اسلئے کہ عنعنہ روایتوں میں سماع کی تصریح وہاں تلاش کی جاتی ہے جہاں راوی مدلّس ہو اور یہاں ثقات اربع میں سے کوئی راوی مدلّس نہیں، پس عن کا صیغہ جو محتمل سماع ہے اسکو بالاتفاق سماع ہی پر محمول کرنا ہوگا، اور ان ثقات کا عَنْ عَائِشَۃَ کہنا تمام محدثین کے نزدیک ان عائشۃ حدثتھم کے ہم پایہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ سے ان سب کی ملاقات اور ان سب کا سماع ثابت شدہ مسلّمات میں سے ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا لفظ سَمِعْتُ میں سماع کی تصریح ہے، اور یہاں عن عائشہ میں سماع کا ظن غالب ہے تو اخبار آحاد ویسے بھی ظنی ہی ہوا کرتی ہیں، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ مزید ترقی کرکے یوں فرماتے ہیں:

"کسی روایت میں بعینہٖ سَمِعْتُ نہ بھی ہو لیکن شیخ اور تلمیذ ایک ہی دور کے ہوں تو عن فلاں کہنا سماع ہی پر محمول ہوگا جب تک صراحۃً اس کا انکار کسی روایت میں منقول نہ ہو۔"

اور یہاں تو ثقات اربع کا حضرت عائشہ کے مبارک دور میں ہونا کیا معنی، بہت ساری حدیثوں کو ان ثقات اربع کا حضرت عائشہ سے

صراحۃً سننا ثابت ہے"۔

پس مصنف نے جن ثابت شدہ مسلمہ اصول کی روشنی میں حدیث پر کلام فرمایا ہے وہ خود مصنف کے تصنیف کردہ اصول تو ہو سکتے ہیں ائمہ حدیث کے مسلمہ اصول نہیں ہیں۔

اسی طرح "راوی معلوم اور مروی مجہول" کی اصطلاح بھی محض مغالطہ ہے محدثین کرام اور ائمہ اصول نے سبب ضعف میں اس کو نہیں شمار کیا ہے بلکہ انکی تصریح ہے کہ اس طرح چند حدیثوں کو جمع کر کے بیان کرنا بلا کراہت جائز ہے' دیکھئے اسی حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وھٰذا الذی ذکرہ الزھری من جمعہ الحدیث عنھم جائز لامنع منہ ولا کراھۃ فیہ، لانہ قد بین ان بعض الحدیث عن بعضھم وبعضہ عن بعضھم وھٰولاء الاربعۃ، ائمۃ، حفاظ ثقات' من اجل التابعین، فاذا ترددت اللفظۃ من ھٰذا الحدیث بین کونھا عن ھٰذا او ذاک جاز الاحتجاج بھا لانھا ثقتان وقد اتفق العلماء علی انہ لو قال حدثنی زید او عمرو وھما ثقتان معروفان بالثقۃ عند المخاطب جاز الاحتجاج بہ اھ (شرح مسلم کتاب التوبۃ ص۳۶۳ ج۲)

یعنی زہری نے ان تمام راویوں کی حدیث کو جو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے یہ بجا و درست ہے، اس میں نہ کوئی خرابی ہے اور نہ ممانعت، کیونکہ وہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ حدیث کا کچھ حصہ ان کے بعض سے مروی ہے اور کچھ حصہ دوسرے سے، اور یہ چاروں ائمۂ فن، حفاظ حدیث، ثقہ اور عظیم الشان تابعین کرام میں سے ہیں، تو جب کسی لفظ میں یہ تردد ہو کہ یہ لفظ اس ثقہ کا ہے یا اس ثقہ کا تو یہ مضر نہیں اور اسکو حجت بنا سکتے ہیں کیونکہ دونوں معتبر شخص ہیں اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر محدث کہے کہ مجھ سے زید نے حدیث بیان کی ہے یا عمرو نے اور زید و عمرو دونوں

ثقہ ہوں، مخاطب کے نزدیک دونوں کی ثقاہت مشہور ہو تو اس کو حجت بنانا اور دلیل میں پیش کرنا صحیح ہے، امام نوویؒ کی بات پوری ہوئی۔ (شرح مسلم کتاب التوبہ)

وہ جب تمام اہل علم کا اس کی حجیت پر اتفاق نقل کرتے ہیں تو "روایات کے پرکھنے کے جو اصول محدثین اور اہل علم کے نزدیک طے شدہ ہیں ان کی رو سے" حدیثِ افک بالکل صحیح ہے، ہاں مصنّف نے جو ذہنی اصول ایجاد کئے ہیں ان کی رو سے یہ روایات غلط ہوں تو وہ ذہنی اصول بجائے خود لغو ہیں اہل علم پر کیوں تہمت رکھی جائے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم کے علاوہ اپنی "تقریب" میں بھی یہ بات مختصراً لکھی ہے اور اصول حدیث کی ایک دوسری مشہور و معتبر کتاب مقدمہ ابن صلاح میں بھی یہی بات ہے جس کو امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تحریر فرمایا ہے، امام ابن الصلاح امام نووی سے بھی پہلے کے ہیں، ان کی وفات ۶۴۲ھ میں امام نووی سے چونتیس سال پہلے ہو چکی ہے دیکھئے مقدمہ ابن صلاح، مطبوعہ بھنڈی بازار بمبئی ۱۳۵۷ھ النوع السادس والعشرون فی صفۃ روایۃ الحدیث ص۱۱۱

اور حافظ عینی نے تو اس کے جواز کو اجماعی مسئلہ بتایا ہے: اجمع المسلمون علیٰ قبوله منه والاحتجاج به۔ (عمدۃ کتاب الشہادۃ ص۳۹۵)

مصنف کا دوسرا اعتراض مصنف تفسیر سورۃ النور نے اس صحیح مسند متصل روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے:

"فی الواقع یہ زہری کی مرسل یعنی منقطع روایت ہے اور زہری کی منقطع روایات ناقابل اعتماد ہوتی ہیں، پھر مراسیل زہری کے بارے میں اہل علم کے اقوال نقل فرمانے کے بعد حدیث کے مرسل ہونے پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کے تحت امام بخاریؒ نے جو اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

قال عروة : أُخبِرت انه كان يشاع ويتحدث به عنده فيقرّه ويستمعه ويستوشيه وقال عروة ايضا لم يُسَمَّ من اهل الافك ايضا الاحسان بن ثابت ومسطح بن اثاثة وحمنة بنت جحش فى ناس أخرين لاعلم لى بهم غير انهم عصبة كما قال الله تعالىٰ وان كبر ذلك يقال له عبد الله بن ابىّ ابن سلول

عروہ نے کہا : مجھے یہ بات بتائی گئی کہ راس المنافقین کے سامنے بہتان طرازی پھیلائی جاتی تو وہ اس کی تردید نہ کرتا اور دھیان سے سُنتا اور دوسرے سے نکتہ چینی کرواتا (مگر خود نہ کہتا) عروہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل افک میں سے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے سوا کسی اور کا نام نہیں لیا گیا دوسرے لوگوں کے زمرہ میں جن کا مجھے کچھ علم نہیں بجز اسکے کہ وہ ایک گروہ ہیں جیساکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے۔

اُخبِرتُ کے معنیٰ ہیں مجھے خبر دی گئی، کس نے خبر دی ؟ اس کا ذکر نہیں لم یُسَمَّ من اهل الافك الخ کے معنیٰ ہیں : افک والوں میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد ذکر کیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے اگر عروہ نے قصۂ افک کو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہوتا تو اخبرتنی کہتے اُخبِرتُ نہ کہتے "اور لم تُسَمِّ بصیغہ مؤنث معروف کہتے اور لم یُسَمَّ بصیغہ مجہول نہ کہتے"

عرض یہ ہے کہ اس لمبی روایت میں سے جس بات کو لفظ اُخبِرتُ سے عروہ نے بتایا ہے وہ یقیناً حضرت عائشہؓ سے براہ راست مسموع نہیں ہے، لیکن اس سے پوری روایت کا مرسل ہونا ہرگز لازم نہیں آتا کہ پورے قصۂ افک کو مرسل سمجھا جائے، کیونکہ پوری روایت میں جتنی باتوں کو عروہ نے یا ان کے بقیہ تین اصحاب نے بذات خود حضرت عائشہ سے سنا تھا اس کو زہری نے سمعت فلانا وفلانا... عن عائشة كلهم حدثنى طائفة من حديثها کے لفظ سے ذکر کر دیا، اور

جس بات کو عروہ نے حضرت عائشہ سے بذات خود نہیں سُنا تھا بلکہ کسی کے واسطے سے سُنا تھا اس کو اُخبِرتُ اور لم یُسَمِّ (بصیغہ مجہول) سے بیان کرکے مسند سے الگ کر دیا۔ اور بقیہ تین صاحبوں کی مشترک حدیث سے بھی الگ کر دیا۔ یہ تو زہری یا عروہ کے احتیاط کی بات تھی، چنانچہ یہاں بھی مسند حصہ وکان الذی تولی کبر الافک عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ اس کے بعد قال عروۃ والا جملہ ہے، اور کتاب التفسیر میں بھی سفیان ثوری کے طریق سے اتنا ہی جملہ مسند بیان کیا ہے عن معمر عن الزهری عن عروۃ عن عائشۃ والذی تولی کبر الافک کان عبداللہ بن ابی، صفحہ ۶۹۶۔ اور کتاب الشہادۃ میں بھی فلیح بن سلیمان کے طریق سے سیاقِ حدیث میں ہے وکان الذی تولی کبر الافک عبداللہ بن ابی ابن سلول صفحہ ۳۶۳ مطلب یہ ہوا کہ تہمت تراشی کے بڑے حصہ کا ذمہ دار منافق عبداللہ بن ابی تھا یہاں تک تو مسند ہے اور تمام طرق میں ہے، لیکن اس ذمہ داری کی کیا کیفیت تھی، وہ کیفیت عروہ کو براہ راست حضرت عائشہ سے نہیں پہونچی، اس لئے اس کو اُخبِرتُ سے تعبیر کر دیا کہ مجھے یہ بات بتائی گئی کہ راس المنافقین اس بات کو لوگوں سے کہلواتا، سنتا، اس کے سامنے لوگ کہتے تو ان کی بات میں بات ملاتا، لیکن خود تہمت نہ لگاتا کہ جرم ثابت ہو سکے اور حد سے وہ خود بچا رہ جائے، جیسا کہ یہی بعد میں ہوا اور حد قذف سے وہ خود بچ گیا اور با اخلاص مومنین میں سے کچھ مجرم ثابت ہوگئے اور ان پر حد لگا دی گئی، ان تمام تفصیلات سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ زہری نے غایت احتیاط سے مسند کو مرسل سے الگ کر دیا، پس اتنے حصہ کو خواہ ناقابل اعتماد کہہ لو مگر بقیہ پوری حدیث کو مسند اور متصل سے خارج کرنا اور مرسل الزہری بتا کر شبہ الریح اور مثل المراسیل کا حکم لگانا کسی طرح محدثین کرام کے اس اصول کے مطابق نہیں ہے، جو کہ انھوں نے نقد احادیث کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اور اس احتیاط کو مصنف کا اپنے باطل مزعومہ کی تائید میں پیش کرنا حیرت کی بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ شبہات مصنف نے اصول حدیث کے لحاظ سے یہی دو اعتراضات کئے ہیں جن کے جواب سے ہم فارغ ہوگئے، ان کے علاوہ کچھ شبہات ذکر کئے ہیں جن میں سے بعض شبہوں کا قلع قمع خود الفاظ حدیث ہی سے ہوجاتا ہے اور کچھ ناقص عقلیت پسندی کا نتیجہ ہیں البتہ دو شبہے کچھ وقیع ہیں اور شراح حدیث اس کو پہلے ذکر کرکے جواب دے چکے ہیں، کچھ مصنف محترم کی وسیع النظری کا کرشمہ نہیں ہے، اس لئے ہم انھیں دونوں شبہوں کو اصالۃً بیان کرتے ہیں:

پہلا شبہہ یہ ہے کہ واقعۂ افک کے وقت حضرت زینب بنت جحش آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں، ان کے نکاح کے بعد ہی متصلاً آیت حجاب نازل ہوئی ہے، اور بقول مصنف علامہ شبلی کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ احزاب یعنی خندق جو ۵ھ میں ہوا، اس کے بعد ہی یہ ام المومنین بنی ہیں، تو اگر غزوہ بنی المصطلق کو خندق سے پہلے مانا جائے تو حضرت زینب اس وقت ازواج نبیؐ کے زمرہ میں شامل ہی نہیں ہوئی تھیں، تو کس طرح انھوں نے اس معاملہ میں رائے دی اور ان کی بہن کس طرح ان کی مدد میں واقعۂ افک میں شریک ہوئیں؟ اور اگر خندق کے بعد مانا جائے تو یہ بالیقین ثابت ہے کہ خندق سے فارغ ہوتے ہی یہود بنی قریظہ کو سزا دی گئی اور اسکے متصلاً بعد حضرت سعد بن معاذ کی وفات ہوگئی، اس کے بعد غزوہ بنی المصطلق میں واقعۂ افک پیش آیا اور سعد بن معاذ نے اس میں رائے دی ہے اور عبد اللہ بن ابی منافق کو گردن زدنی قرار دیا ہے جبکہ اس سے پہلے ہی سعد بن معاذ فوت ہوچکے تھے۔ تو کیسے انھوں نے رائے دی

جواب اس شبہہ کی بنیاد نکاح زینب ام المومنین کو غزوہ خندق سے مربوط ماننے پر ہے، ورنہ ۵ھ کے شعبان میں غزوہ مریسیع کو مانا جائے اور غزوۂ خندق کو شوال ۵ھ کے آخر سے ذوالقعدہ ۵ھ تک برقرار رکھا جائے تو حضرت سعد بن معاذ کی گفتگو بلاشبہہ ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ مریسیع اور واقعۂ افک کے بعد غزوہ خندق

میں حضرت سعد بن معاذ کی رگ اکحل میں تیر لگا ہے اور بنی قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد فوت ہوئے ہیں، اور حضرت زینب کا نکاح بھی ۵ھ میں مانا جائے تو شعبان سے پہلے ہی ۵ھ کے کسی مہینہ میں زمرہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل تھیں چنانچہ حافظ ابوعمر بن عبدالبر" الاستیعاب میں لکھتے ہیں :

۱۳۰۔ زینب بنت جحش زوج رسول صلی اللہ علیہ وسلم وامہا امیمہ بنت عبدالمطلب

زوجہ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش کی والدہ عبدالمطلب کی صاحبزادی امیمہ ہیں

تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سنة خمس من الهجرة	آنحضورؐ نے ۵ھ ہجری میں ان سے نکاح کیا۔
هذا قول قتادة. وقال ابوعبيدة	یہ قتادہ کا قول ہے، ابوعبیدہ نے کہا
تزوجها فى سنة ثلاث من التاريخ، (ص۱۳۳)	۳ھ میں ان کا نکاح ہوا

پس ۵ھ والے قول کی بنیاد پر جس طرح زینب واقعۂ افک کے موقعہ پر سلسلہ ازواج میں داخل ہیں اور انھوں نے رائے دی ہے، اسی طرح واقعۂ افک، پردہ نازل ہونے کے بعد ہی واقع ہوتا ہے، اس طرح یہ شبہہ ختم ہوجاتا ہے الغرض نکاح زینب سے صرف حکم حجاب مربوط ہے نہ کہ غزوۂ احزاب،

موسیٰ بن عقبہ نے بھی یہی کہا ہے کہ غزوۂ مریسیع اور غزوہ خندق دونوں ایک سال میں ہیں، اس لئے علامہ شبلیؒ کی رائے کو تمام مؤرخین کی رائے کے خلاف بتانا صحیح نہیں کہ انھوں نے مریسیع کو پہلے اور خندق کو بعد میں بتایا کیونکہ شعبان پہلے آتا ہے اور شوال و ذوالقعدہ بعد میں۔

دوسرا شبہہ | واقعۂ افک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ طلب کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا ہے سَلِ الجارية تصدقك، باندی سے

پوچھئے وہ آپ کو سچی بات بتائے گی، اس کے بعد بعض طرق میں "فدعا الجاریۃ" کا لفظ ہے جاریہ کو بلایا کس جاریہ کو؟ یہ مذکور نہیں لیکن اکثر طرق میں جاریہ کو نامزد ذکر کیا ہے: فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرۃ فقال ای بریرۃ! ھل رأیت من امر یریبک؟ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (جاریہ) بریرہ کو بلایا اور پوچھا کہ اے بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تمھیں شبہہ میں ڈال دے؟ اور حضرت بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی مملوکہ فتح مکہ کے بعد ہوئی ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ نے ان کو جب خرید کر آزاد کر دیا تو ان کو فسخ نکاح کا حق ملا اور وہ شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہوئیں اور ان کے شوہر مغیث رو رو کر مناتے رہے، پھر بھی وہ تیار نہیں ہوئیں، محبت و نفرت کی کشمکش کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ سے اس حیرت انگیز منظر کو ذکر کیا۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فتح مکہ کے بعد قیام پذیر ہوئے ہیں، تو اس کے پہلے غزوۂ مریسیع (بنی المصطلق) جس میں واقعۂ افک پیش آیا، اس میں حضرت بریرہ کو بلانے اور سوال وجواب کرنے کا ذکر کیسے آیا۔

جواب | یہ حضرت بریرہ اگر وہی ہیں جن کے بدل کتابت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے بعد ادا کر کے آزاد کیا تھا تو وہ بنو ہلال کی مرقوقہ تھیں، ممکن ہے حالت رقیت کے زمانہ میں بھی حضرت عائشہؓ کی خدمت مفت یا اجرت پر کرتی رہی ہوں اور ان کا حضرت عائشہؓ کے پاس دور غلامی میں آنے جانے کا ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ جب ان کے اہل نے ۹ اوقیہ کے بدلے مکاتب بنایا تو اس خطیر رقم میں تعاون حاصل کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں۔

جاءت بریرۃ تستعینھا فی کتابتھا، (صحیح البخاری ص ۳۴۸ ج ۱)

اور آدمی تعاون اسی سے طلب کرتا ہے جس سے تعلقات شگفتہ ہوتے ہیں، اس لئے

گھر میں آنے جانے کی وجہ سے ان سے تحقیق حال کیا گیا ہو تو کوئی استبعاد نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسری جاریہ ہوں جن کا نام بھی اتفاق سے بریرہ ہی رہا ہو حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں :

وقد اجاب غیرہ : بانھا کانت تخدم عائشۃ بالاجرۃ وھی فی رق موالیھا قبل وقوع قصتھا فی المکاتبۃ وھذا اولیٰ من دعوی الادراج وتغلیط الحفاظ (تفسیر سورۃ النور، شرح بخاری ص ۴۶۹ ج ۸)

ابن قیم حنبلی کے علاوہ دوسروں نے یہ جواب دیا ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا مزدوری پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس وقت خدمت کرتی تھیں جب اپنے آقاؤں کی ملکیت میں تھیں اور انکی مکاتبت، کا قصہ ابھی پیش ہی نہیں آیا تھا اور حفاظ کی جانب غلط بیانی کی نسبت، کرنے اور بریرہ کے نام کو مدرج ٹھہرانے سے زیادہ بہتر یہی ہے۔

امام بدر الدین الزرکشی متوفی رجب ۷۹۴ھ اپنی مشہور کتاب "الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ" کے ص ۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۰ء پر حدیث افک پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

فھذہ ثلاثۃ اوھام ادعیت فی حدیث الافک وھم فی بریرۃ ووھم فی سعد بن معاذ، ووھم فی ام رومان والثلاثۃ ثابتۃ فی الصحیح فلا ینبغی الاقدام علی التوھیم الابامر بین وقد تقدم مایدفع الکل

پس یہ تین اوہام ہیں جن کا حدیث افک میں دعویٰ کیا گیا ہے، ایک بریرہ کا ذکر، دوسرا سعد بن معاذ کا تذکرہ، تیسرا ام رومان کا ذکر، اور تینوں الجامع الصحیح میں ثابت شدہ ہیں اس لئے بغیر واضح دلیل کے وہم قرار دینے پر پیش قدمی نہ کی جائے اور تینوں اوہام کو دفع کرنے کی تفصیل گزر چکی (الاجابۃ ص ۴۳)

تو جس طرح مصنف نے بعض اوہام میں اپنے سے پہلے لوگوں کی ہمنوائی کی ہے اسی طرح جواب بھی ہم سے پہلے بعض محققین دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔

قلتِ تدبّر مصنّف کے بہت سے شبہات قلّتِ تدبّر کا نتیجہ ہیں، اگر اس حدیث کو بنظرِ غائر احقاقِ حق کے لئے دیکھے ہوتے، وہ شبہات نہ واقع ہوتے۔ مثلاً "مشورہ کے لئے اسامہ بن زید کو کیوں منتخب کیا جبکہ وہ نوعمر لڑکے تھے۔ اور حضرت زید ان کے والد موجود تھے، کہیں لڑکوں سے ایسی اہم بات میں مشورہ لیا جاتا ہے" اگر اس مشورہ کو تحقیقِ حال سمجھے ہوتے تو شبہہ نہ پیدا ہوتا۔ کیونکہ گھریلو حالات کی تحقیقی بات بلا خوف وخطر وہ نوجوان ہی اچھی طرح بتا سکتا ہے جو بچپن سے گھر میں آتا جاتا ہو۔ بقول مصنف حضرت اسامہ اس واقعہ کے وقت پندرہ سال کے تھے۔ اور تحقیقی بات یہ ہے کہ آیت حجاب دو سال پہلے نازل ہو چکی ہے، تو اس کے پہلے ۳ سال تک جو سمجھ دار لڑکا گھر میں آتا جاتا رہا ہو شک وشبہہ کی باتیں اس کو جس قدر معلوم ہوں گی دوسرے لوگوں کو وہ بات نہیں معلوم ہو سکتی۔

اسی طرح ناتجربہ کاری کی باتیں "دانا جاریۃ حدیثۃ السن" میں نو عمر لڑکی تھی پر غور کئے ہوتے تو شبہہ نہ پڑتا، ہودج تنہا ایک آدمی نہیں باندھتا تھا بلکہ وہ بہت سے لوگ مل کر اٹھاتے تھے، اسی لئے ان کو ہودج کے خالی ہونے کا شبہہ نہ ہوا اسکو خلافِ عقل قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ کے تنہا قضائے حاجت کے لئے جانے پر شبہہ بھی بے بنیاد ہے، "بیچ لشکر سے کوئی عورت جائے اور پورے لشکر کو خبر نہ ہو" یہ بھی غور کی کمی کا نتیجہ ہے، قضائے حاجت کے لئے حضرت عائشہؓ گئیں پھر تھوڑی دیر واپس آئیں تو ہار کے گم ہونے کا علم ہوا، پھر دوبارہ ہار تلاش کرنے گئیں، اس کے بعد قافلہ روانہ ہو گیا، جب سارا لشکر جاگ رہا تھا، اور سب لوگ روانگی کے لئے اپنی اپنی تیاری میں لگے ہوئے تھے، حضرت عائشہ کو اگر جاتے بھی دیکھے ہوں اور واپس آتے بھی دیکھے ہوں، مگر ان کے دوبارہ ہار تلاش کرنے کے لئے جانے کو وہ لوگ کیا جانتے ہیں، جو خود جانے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ مصنف کو دھوکہ یہ ہو گیا ہے کہ قضائے حاجت سے واپس آتے راستہ

ہی میں ہار کی گم شدگی کا علم حضرت عائشہؓ کو ہو گیا تو وہ دریں سے واپس ہار ڈھونڈنے چلی گئیں، حالانکہ حدیث میں صاف موجود ہے:

فلما قضیت شانی اقبلت	جب ضرورت پوری کر چکی تو میں
الی الرحل فلمست صدری	پڑاؤ پر آ گئی، تب میں نے چھوا
فاذا عقد الخ	تو ہار ندارد تھا۔

اقبلت الی الرحل کا ترجمہ حافظ نے یوں کیا ہے: رجعت الی المکان الذی کانت نازلۃ فیہ جس جگہ اتری تھیں وہیں واپس آ گئیں تب سینہ چھوا۔ (ص ۴۵۹ ج ۸)

قلت تدبّر سے یہ شبہہ بھی مصنف کو پڑ گیا کہ وسط شعبان سے وسط رمضان تک وحی کا نازل نہ ہونا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، کیونکہ رمضان کی ہر شب میں حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس آتے تھے، حضرت عائشہؓ نے نہ مہینہ بھر مطلق وحی آنے کا انکار کیا ہے، اور نہ حضرت جبرئیل کی ملاقات کا انکار کیا ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ اس خاص معاملہ میں وحی نازل نہیں ہوئی اور ایک مہینہ تک آنحضورؐ کو اسی وحی کا انتظار رہا، اور جبرئیل امین کوئی بات خود کیسے بتائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام نہ ملے، بخاری شریف کے ان الفاظ پر غور کیجئے:

وقد مکث شہراً لا یوحی الیہ	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ
فی شانی شیء (بخاری	اس حال میں رُکے رہے کہ میرے
ص ۳۶۵، ص ۵۹۶، ص ۶۹۷)	بارہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہو رہی تھی

پورے مضمون میں بہت سی باتیں محض دعویٰ اور ذہنی اپج ہیں، اس پر کوئی دلیل مصنف کے پاس بھی نہیں ہے، مثلاً "افک سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا تھا کہ جو لوگ پارسا عورتوں پر الزام لگائیں اور ثبوت نہ پیش کریں، تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ" اس پر کیا دلیل ہے؟ ہاں اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے

جس کو ابوداؤد اور ترمذی، ابن ماجہ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ آیت اترنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر کھڑے ہوئے، آیتوں کی تلاوت فرمائی، پھر تین شخصوں کو حد لگوائی، جس سے ثابت ہوا کہ افک کا واقعہ پیش آنے کے بعد یہ قانون خداوندی نازل ہوا یا جیسے فلسفیانہ انداز میں واقعۂ افک کو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے منافی قرار دیا ہے، کیا تہمت لگانے والوں کو حد لگ جانے اور ان کے جھوٹے ہونے کے مشتہر ہو جانے کے بعد اسی طرح حرم پاک کی صفائی میں قرآن کریم کی آیتوں کے اتر جانے کے بعد بھی عصمتِ نبی محفوظ نہیں رہی؟

درحقیقت یہ ایک عظیم الشان ابتلا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا، اور خاندانِ ابوبکر کو پیش آیا، کیونکہ کذلک الرسل تبتلیٰ وتکون لھم العاقبۃ، (بخاری کتاب التفسیر ص۶۵۳، ص۲۱۳۵) اور اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل، اور لقد اوذیت فی اللہ و مایوذی احد، وغیرہ حدیثوں سے بخوبی ثابت ہے، جس سے کامل الایمان کے اخروی درجات میں اضافہ و ترقی کرانی مقصود ہوتی ہے

ناظرینِ کرام سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ خاص اسی حیثیت سے اگر اس واقعہ کو دیکھنا چاہیں تو علامہ ابن قیم کی زاد المعاد میں غزوۂ مریسیع، واقعۂ افک اور اس کی حکمتوں کو ملاحظہ فرمائیں، انشاء اللہ یہ سب عقلی شبہات کافور ہو جائیں گے،

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حیات امام اعظم ابو حنیفہ

پس منظر

محترم جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کی تصنیف حیات امام اعظم ابو حنیفہ پر تقریباً دس سال پہلے ایک تبصرہ کیا گیا تھا، جسے خود مصنف نے بنظر استحسان دیکھا اور جوابی خط میں کھلے دل سے اعتراف کیا، جیسا کہ اہل علم کی شان ہوتی ہے، موصوف لکھتے ہیں کہ

"امام ابو حنیفہ پر آپ کا قیمتی تبصرہ پڑھا، شکر گزار ہوں۔ اب آئندہ اڈیشن میں اس حیثیت کو سامنے رکھ کر لکھوں گا، تبصرہ میں سے بعض باتوں سے مجھے اتفاق ہے، اور آپ کی بعض باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں، ممکن ہے کہ آئندہ مراجعت کتب پر میں ان سے بھی متفق ہو جاؤں، تاہم آپ کا تبصرہ قیمتی اور مشورہ قابلِ قدر ہے۔"

ایک حق پسند مصنف کے اس اعتراف کے بعد اس تبصرہ کی اشاعت کی قطعاً ضرورت نہیں تھی، لیکن اس خیال سے کہ پہلے اڈیشن کی غلطیوں کی تصحیح ہو جائے گی اور ایک حق پرست کی علمی جلالت بھی قارئین کے سامنے آجائے گی، اسے بھی شائع کیا جارہا ہے۔

زین العابدین

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حالات زندگی، قانون سازی اور فقہ،

از قلم :- مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری۔ مدظلہم العالی۔
ملنے کا پتہ :- مدنی دار التالیف۔ بجنور۔
قیمت :- بیس روپیئے۔

اس قیمتی تالیف پر اکابرین علماء اور اصحاب قلم کی تقریظات کتاب کے اندر ہیں۔ ان میں سے اکثر تبصرہ نگاروں نے لائق مؤلف کی محنت کو خوب خوب سراہا ہے۔ اور تالیف کو بجا طور پر داد تحسین دی ہے۔ مجموعی اعتبار سے کتاب قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔

ان اکابرین کے تعریفی کلمات کے بعد مزید تبصرہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن فاضل مؤلف نے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ :

" اہل علم اور قدر داں حضرات کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے جہاں کسی لغزش پر اطلاع پائی ہے، مطلع کیا ہے یہی آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت میری ضعیف ترین انسانیت کو جو خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ فراموش نہ فرمائیں "،

اس لیئے چند باتیں جو میرے خیال میں فاضل مؤلف کی چوک ہیں۔ تحریر کرتا ہوں تاکہ آئندہ ایڈیشنوں میں اگر تصحیح کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

(الف)

ص۵۹ پر امام صاحب کے اساتذہ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
بعض حضرات نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ۹۹ بتلائی ہے۔

اور حافظ ذہبی نے (۲۰۶) تعداد بتلائی ہے. ہم نے نہایت تحقیق کے بعد آپ کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست تیار کی ہے"

اس کے بعد "تنسیق النظام" کی فہرست مضامین یعنی" اسماء شیوخ الامام بلا واسطة" کی فہرست بعینہٖ نقل کی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا اسرائیلی علیہ الرحمۃ نے حروف تہجی کے مطابق پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات زندگی پھر امام صاحبؒ کے اساتذہ بلا واسطہ کے تفصیلی حالات پھر بالواسطہ استاذوں کے تفصیلی حالات تحریر فرماتے ہیں. اور ہر باب میں "الکنیٰ" کے عنوان سے عام کتب رجال کے طرز پر مبہمات مذکورہ کی تعیین اور غیر مذکورین کے مزید حالات کو قلمبند فرمایا ہے. پھر سہولت کے پیش نظر فہرست ہر سہ ابواب آخر میں لگادی ہے. مؤلف محترم نے بیچ والی فہرست کو نقل کیا ہے. لیکن اس باب کی تمام کنیتوں کو مستقل افراد سمجھ کر نمبر شمار اس طرح لگادیا کہ جن بزرگوں کو اسماء کے ذیل میں شمار کر آئے تھے. ان کی کنیتوں کو بھی مستقل شمار کر لیا. ہمارے نزدیک مناسب یہ تھا کہ خط کشیدہ کلمات کی جگہہ کچھ اس قسم کے الفاظ ہوتے کہ" حضرت مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسند امام اعظم کے مقدمہ تنسیق النظام کے اندر امام صاحب کے اساتذہ کی درج ذیل فہرست مرتب کی ہے" پھر فہرست نقل کر کے مکررات کو واضح کر دیا جاتا. اور جس طرح شروع باب میں حوالہ جات کے تحت تنسیق النظام کا حوالہ ہے. یہاں بھی آجاتا تو " ادعاء" کا شائبہ نہ رہتا. جو فاضل مؤلف جیسے متواضع ومنکسر المزاج کے شایان شایان ہوتا.

مؤلف موصوف نے جن مکررات کی نشاندہی نہیں کی ہم (۱۱۲) میں سے ان کی نشاندہی موصوف کے نمبرات کے ساتھ کیئے دیتے ہیں.

	مکرر کنیتیں مع نمبرات مؤلف	اسماء مذکورین مع نمبرات مذکورہ	مرجع و حوالجات
۱	ابواسحٰق السبیعی (۹۶)	عمرو بن عبداللہ الہمدانی (۵۶)	میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تنسیق النظام
۲	ابوبردہ (۹۷)	عامر بن ابی موسیٰ بن قیس الاشعری (۳۶)	نووی شرح مسلم، تنسیق النظام
۳	ابوحصین (۹۹)	عثمان بن عاصم (۴۵)	"
۴	ابوالزبیر (المکی) (۱۰۰)	محمد بن مسلم بن تدرس (۹۹)	نووی شرح مسلم "
۵	ابوسفیان (السعدی) (۱۰۱)	طریف بن شہاب (۳۱)	میزان الاعتدال "
۶	ابوسفیان (۱۰۲)	طلحہ بن نافع الواسطی (۳۲)	" نووی شرح مسلم "
۷	ابوعمر (۱۰۵)	ذر بن عبداللہ (۱۷)	تراجم الاحبار "
۸	ابن شہاب الزہری (۱۰۶)	محمد بن مسلم بن عبیداللہ (۰۰)	حاشیہ مؤطا امام محمد، نووی "
۹	ابوفردہ (۱۰۸)	مسلم بن سالم النہدی (۴۰)	"
۱۰	ابوکثیر (۱۰۹)	یزید بن عبدالرحمٰن السحیمی (۹۳)	"
۱۱	ابویعفور (۱۱۲)	وقدان وقیل اسمہ واقد (۸۶)	ترمذی ابواب الاطعمہ "

ان گیارہ مکرر ناموں کے حذف کر دینے کے بعد صرف ایک سو ایک (۱۰۱) شیوخ باقی رہے۔ ان میں سے محمد بن السائب (۶۵، ۶۶) کاتب کی غلطی سے دو جگہ مرقوم ہے۔ ان سو حضرات میں سے ممکن ہے کہ ابوغسان (۱۰۴) کا مولانا سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی حال نہ ملسکا کہ وہ کون ہیں۔ اسلئے بعض حضرات نے جو (۹۹) تعداد بتلائی ہے وہی مولانا مرحوم کے نزدیک بھی راجح ہو۔ وتحقیقہ تحقیق المؤلف۔

(ب)

مؤلف محترم کی نقل فہرست کا، مطابق اصل نہ ہو سکی۔ ممکن بلکہ غالب گمان ہے کہ وہ کتابت کی غلطی ہے۔ مؤلف محقق نے طباعت کے وقت تصحیح کی مکمل نگرانی نہیں فرمائی۔ ورنہ نمبرات ذیل کے اسماء گرامی غلط نہ چھپ جاتے۔ اور امام صاحب

کے اساتذہ میں سے ایک نام چھوٹ نہ گیا ہوتا۔ نمبرات مندرجہ ذیل ہیں۔

۲، ۱۰، ۴۴، ۶۵،۶۶، ۶۸، ۷۲، ۸۲، ۸۸، ۹۴، ۹۶

ان میں سے (۱۰) پر جس راوی کا حوالہ ہے اسکی روایت مسند ص۲۳ پر یوں ہے ابوحنیفہ عن علی ابن الحسین الزراد عن تمام الخ۔ "صاحب تنسیق" نے (ص۵۴) علی بن الحسین کو وہم بتاکر ابوالحسن الزراد قرار دیا ہے۔ جو مطبوعہ مسند شریف میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اور مؤلف محترم کے کاتب نے الحسن بن الزراد قرار دیدیا ہے۔ جو بالیقین غلط ہے۔ مؤلف محقق کی نقل میں چھوٹ جانے والے استاذ (محمد بن عیسیٰ) کے بارے میں صاحب تنسیق لکھتے ہیں۔

"روی لہ الامام فی الشفاعۃ لاہل الکبائر والعظائم والدماء...... عن انس بن مالک مرفوعًا" ص۸۱

(ج)

صحیحین سے "تقابلی مطالعہ" کی دعوت دیکر مؤلف محترم نے مسند امام اعظم رح کو جو صحیحین اور مؤطا کے درجہ میں شامل کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ اگر اس میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ جاتی کہ مسند شریف کے جملہ رواۃ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کے راوی ہیں۔ تو کسی حد تک مسند کی روایات علیٰ شرط الشیخین قرار پاسکتی تھیں۔ لیکن ایک سو بارہ اساتذہ کرام میں سے صرف اکیاون بزرگوں کو صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کا راوی ثابت کرسکے، اساتذہ کے علاوہ بیشمار راویوں کو تو چھیڑا ہی نہیں۔ اور اساتذہ میں سے (۶۱) افراد کو علیٰ شرط الشیخین قرار دینے کے لیئے ضروری تھا کہ ان پر جو جرحیں ائمہ فن نے کی ہیں۔ ان کا مدلل جواب لکھا جاتا جسکی طرف یکسر توجہ نہ کی گئی "لے دیکر" عبدالکریم بن ابی المخارق کے اوپر جو اعتراض معاصر کا جواب نہایت تفصیل سے مولانا اسرائیلی علیہ الرحمۃ نے تنسیق میں دیا ہے۔ اسی کو مختصرًا ذکر

کر کے نہ یہ کہ صرف اپنے کو سبکدوش سمجھ لیا گیا۔ بلکہ "محو حیرت" ہو کر بہ بلند بانگ، دعویٰ بھی کر بیٹھے کہ:۔

"مسند امام اعظم بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہے۔

ہاں اگر کسی حدیث پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اسکے لئے نشانہ بخاری و مسلم کو بننا چاہیئے۔ نہ کہ مسند امام اعظم کو جب کہ اس میں حضرات صحابہ اور رواۃ کے درمیان صرف ایک دو واسطے ہیں ص۴۲

اس جگہ موصوف امت محمدیہ کے "تلقی بالقبول" کی اہمیت کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ اور نہ ہی اہل فن کا یہ اصول ذہن میں رہا کہ جو کتابیں شاذ و نادر افراد کے ہاتھوں میں رہی ہوں۔ اور وہ جن کو پوری امت نے متواتر قرار دیا ہو۔ دونوں قسم کی کتابیں ایک حیثیت نہیں رکھتیں۔ ذرا "اصح السیر" نے مقدمے کا مطالعہ فرمالیں۔ تو اچھا ہے اس بحث کو چھوڑ کر ابھی ہم "تقابلی مطالعہ" میں ایک راوی جو بقول مؤلف صحیحین کے راوی ہیں۔ "ابو یعفور" ان کی اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں جن کی روایت مسند امام اعظم میں تین جگہ ہے۔

"وجوب الوتر" میں ہے ابو حنیفة عن ابی یعفور العبدی عمن حدثه عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث) اس سند سے "فی روایة" کہہ کر چار حدیثیں ہیں۔ ص۸۶

تطبیق کے بیان میں یوں ہے۔ "ابو حنیفة عن ابی یعفور عمن حدثه عن سعد بن مالک (الحدیث) ص۶۱ پھر آگے چل کر کتاب البیوع میں یوں ہے۔ ابو حنیفة عن ابی یعفور عمن حدثه عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث عتاب ابن اسید (الحدیث) ص۱۶۹

ان چھ حدیثوں میں ابو یعفور کے استاذ مجہول الذات اور مجہول الصفات ہیں۔ کیا اس بنا پر کہ ان کے راوی ابو یعفور بقول مؤلف محترم رجال صحیحین میں

سے ہیں۔ یہ روایتیں اعلیٰ درجہ کی صحیح کہی جا سکتی ہیں۔ اور کیا اسکی کوئی نظیر اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں پیش کی جا سکتی ہے؟ اور کیا صحیح مسلم میں بلا متابعت کے مجہول الذات راویوں سے کوئی روایت ہے؟

ترقی کر کے ہم پوچھتے ہیں کہ امام ترمذی جن کی کتاب السنن الجامع قوت صحت میں پانچویں درجہ کی ہے۔ اور جو ابو یعفور کی روایت کو "ابواب الاطعمة" میں حسن صحیح قرار دے چکے ہیں۔ کیا ایسی روایتوں کو صحیح قرار دیتے ہیں جس کے راوی مجہول الذات اور مجہول الصفات ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ رجاء بن حیوة عن کاتب المغیرة ورّاد) عن المغیرة بن شعبة کی مسح اعلیٰ الخف واسفلہ والی روایت کو امام ترمذیؒ نے "معلول" قرار دیدیا۔ کیونکہ ثور بن یزید کے بعض تلامذہ حُدِّثتُ عن کاتب المغیرة نقل کرتے ہیں:۔

مجاہیل کی روایتوں کو جانے دیجئے اعلیٰ درجے کی حسن روایتیں جنکے رواۃ پر صرف تام الضبط نہ ہونے کا کلام ہے۔ اگر اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں امام بخاری لا سکتے تو جزء القراءة اور رفع الیدین لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ "تقابلی مطالعہ" ذرا سا آگے بڑھ کر ملاحظہ فرمائیے۔

١۔ ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم عمن لا اتہم عن ابی سعید وعن ابی ھریرة ... مسند شریف ص ١٦٦

٢۔ " ..... معمر عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرة ..... سنن نسائی ص ١٨٩ ج ٢

٣۔ .... ابواسامة عن ھشام عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرة ..... صحیح مسلم ص ٤٥٣

٤۔ علی بن عبد اللہ نا سفیان ثنا الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرة ... صحیح بخاری ص ٢٨٧

اس کے بعد مرفوعاً متن حدیث متقارب اللفظ ہیں۔ یعنی لا یساوم الرجل علیٰ سوم اخیہ ولا یخطب علیٰ خطبة اخیہ (الحدیث)

اس متن کے ساتھ پہلی حدیث جو مسند امام اعظم میں ہے۔ اس میں ابوہریرہ اور ابو سعید خدری کے راوی ایسے مجہول شخص ہیں جو امام صاحب کے نزدیک متہم نہیں

ہیں. لیکن دوسرے لوگ ان کے متہم یا غیر متہم ہونے کی اطلاع نہیں پاسکتے۔ (کیونکہ نام معلوم نہیں کہ تحقیق کرسکیں)

اور ع۴۰۲ نسائی اور بخاری کی روایت میں ان کے راوی فقہائے سبعہ میں میں سے نقیہہ مدینہ، جلیل القدر امام سعید بن المسیب ہیں۔ اور مسلم شریف کی روایت ۲ کے وہ راوی امام الرؤیا محمد بن سیرین ہیں۔ ان دونوں کی شہرت کے ساتھ ساتھ اگر کوئی ان کی نقاہت، تورع، احتیاط فی الحدیث وغیرہ اوصاف کا پتہ لگانا چاہیئے تو بیشمار مواد میسر ہیں. کیا پہلی حدیث کسی طرح ان روایتوں کے ہم پلہ ہوسکتی ہے۔ درانحالیکہ حدیث ۲ صحیحین سے فروتر کتاب سنن نسائی کی ہے۔ فقہ میں، ضبط میں، شاگردوں کی کثرت میں، غرض وجوہ ترجیح میں سے کسی بھی وجہ میں) عمن کا اتہم والی روایۃ ہمسری کرسکتی ہے.

اور باوجود اس کے کوئی اسے ان روایتوں سے اونچا درجہ دے کر صرف کتاب اللہ سے کمتر قرار دے تو "انصاف کا خون ہو رہا ہے" یا انصاف کا بول بالا ہو رہا ہے؟۔

اسکے بعد ہم دو چار مثالیں ایسے رواۃ کی پیش کرتے ہیں" جو ایک دو واسطہ" والی اصح الکتاب مسند امام اعظم کے راوی ہیں۔ صحیحین میں ان کی روایتیں قطعاً نہیں ہیں۔ اور سامنے ان پر کی ہوئی جرحوں کو ذکر کرتے ہیں. جن کے دفع کرنے کی مؤلف محقق نے بالکل کوشش نہیں کی. تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ محض اکیاون راویوں کے ضبط و اتقان کو دیکھکر یہ "بلند بانگ" دعویٰ خلاف حقیقت اور غیر محتاط ہے۔ دعویٰ پیراء "ج" میں دیکھ لیا جائے۔

رواۃ مجروحین کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو!

	رواۃ مجروحین مع نمبرات مولف	اہل فن کی جرحیں۔
۱	محمد بن السائب الکلبی ص۶۵	المتہم بالکذب، درمی بالرفض واذا انضم الیہ محمد بن مروان السدی الصغیر فہی سلسلۃ الکذب۔
۲	محمد بن الزبیر الحنظلی ص۶۲	متروك
۳	ابن لہیعۃ بالواسطہ داری	متفق علی ضعفہ
۴	طریف بن شہاب ۲۱-۱۰۱	قال النسائی: متروك الحدیث ابوداؤد: لیس بشیٔ، واھی الحدیث۔ ابوحاتم: ضعیف الحدیث لیس بقوی۔ ابن معین: ضعیف الحدیث۔ احمد بن حنبل: لیس بشیٔ لایکتب حدیثہ البخاری: لیس بقوی عندھم۔
۵	الحارث الاعور بالواسطہ راوی	کذاب رمی بالرفض: الشعبی: کان کذابا
۶	محمد بن عبدالرحمن التستری بالواسطہ راوی	مجہول

کیا ان جرحوں کا جواب دیئے بغیر ان کی روایتوں کو اصح الروایات قرار دینے کا دعویٰ مسلم ہوسکتا ہے؟

(۵)

مؤلف محقق ص۱۶۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔

" اس جگہ میں نے امام صاحب کے سو سے زائد ان شاگردوں کے اسماء کی فہرست نقل نہیں کی جن کی احادیث صحاح ستہ میں بھی ہیں۔ اور جامع المسانید میں بھی ہیں جس کا جی چاہے یہ طویل فہرست مقدمہ تنسیق النظام میں دیکھ سکتا ہے"

تلامذہ امام کی روایات یقیناً صحاح ستہ میں ہیں۔ ان میں سے سو سے زائد کی فہرست یکجا اگر کہیں مل جائے تو علم حدیث کے طالب علم کے لیئے انتہائی خوشی کا مقام ہے۔ اسلیئے ہم نے مقدمہ تنسیق النظام کی دوبارہ ورق گردانی کی۔ لیکن اپنی کوتاہ نظری سے وہ فہرست نہیں ملی۔ اگر مؤلف موصوف صفحہ کا حوالہ دیدیتے تو آسانی ہوتی۔ کیونکہ تنسیق النظام کے مطالعہ کا ہمارا حاصل کلام اتنا ہے کہ: مقدمہ تنسیق میں پہلے مسند شریف کے نسخوں کی تفصیل ہے۔ اور اس پر وارد ہونے والی جرحوں کا جواب ہے۔ پھر مقدمہ میں تین باب ہیں۔ باب اول میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی ہیں۔ اور باب دوم میں امام صاحب کی تابعیت کی تحقیق مذکور ہے۔ اسکے بعد تیسرے باب میں رجال مسند پر وہ تفصیلی کلام ہے۔ جسکی طرف ہم نے "الف" کے پس منظر میں اشارہ کر دیا ہے۔

باب دوم میں امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والوں کے اسمائے گرامی خطیب بغدادیؒ کے حوالے سے صرف اس قدر ہیں۔

۱۔ یحیٰی الحمانی ۲۔ عباد بن العوام ۳۔ عبداللہ بن المبارک ۴۔ وکیع بن الجراح۔ ۵۔ یزید بن ہارون ۶۔ علی بن عاصم ۷۔ ابو یوسف القاضی ۸۔ محمد بن الحسن ۹۔ عمرو بن محمد العبقری۔ ۱۰۔ ابو عبدالرحمٰن المقری ۱۱۔ عبدالرزاق بن الہمام۔ اور باب اول میں مزید یہ چار نام بھی ہیں۔ ۱۲۔ لیث بن سعد ۱۳۔ مالک بن انس ۱۴۔ مسعر بن کدام ۱۵۔ زفر۔ جن میں سے بعض صحیحین کے راوی بھی نہیں ہیں۔ پچاسی سے زائد رواۃ صحاح ستہ جو امام صاحب کے تلامذہ ہیں۔ ان کی فہرست کس جگہ ہے؟ صفحہ کا حوالہ مطلوب ہے۔

(ھ)

قسم کھانے میں اگر انشاءاللہ کہہ لیا جائے تو قسم منعقد نہیں ہوتی۔ پھر اسکے لیئے جمہور ائمہ کے نزدیک متصلاً انشاءاللہ کہنا ضروری ہے۔

طاؤس اور الحسن انتہائے مجلس تک وسعت دیتے ہیں۔ سعید بن جبیر چار مہینے تک مہلت کے قائل ہیں ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما پوری زندگی ان شاء اللہ کہہ لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ (نووی شرح مسلم)

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مناظرہ منصور عباسی کی مجلس میں ہوا کس کے ساتھ ہوا؟ مؤلف موصوف "الموفق" کے حوالہ سے امام المغازی محمد بن اسحٰق کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اور محقق ہند علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النعمان میں ربیع حاجب منصور کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ بیان واقعہ میں تمہیدًا یہ جملہ انتہائی غیر محتاط ہے کہ:

"ابن اسحٰق صاحب مغازیؒ امام صاحبؒ سے کینہ اور حسد رکھتے تھے"۔ کتاب مذکور صفحہ ۱۰۱

خیر القرون کے دو اماموں کا آپس میں کینہ کپٹ اور بغض رکھنا قابلِ اعتماد نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں امراء و سلاطین اور ان کے خوشامدی لوگوں میں یہ عیب ہو تو انگیز کر لینے کے قابل ہے۔ اس لئے بیان واقعہ میں کسی روایت کو ترجیح دیتے وقت اس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ کیسی شخصیت مجروح ہو رہی ہے۔

"وفیات الاعیان" لابن خلکان کے حوالہ سے بعض درسی کتابوں میں بھی یہ مناظرہ ربیع صاحب منصور کے ساتھ ہونا مذکور ہے، اگر یہ تاریخی واقعہ صحیح ہو تو ہمارے نزدیک ربیع کیطرف منسوب کرنا بہتر ہے۔ البتہ کتب رجال میں جو جرحیں مذکور ہیں اس کی بنیاد "حفاظتِ دین" اور نقل دین میں شدتِ احتیاط ہے نہ حسد، بغض و کینہ، عداوت جیسے اوصاف مذمومہ (اس کی شہادت ترمذی کی کتاب العلل اور مقدمہ صحیح مسلم وغیرہ ہیں)

(۹)

کتاب کی ظاہری خوشنمائی کو کتابت کی غلطیوں نے جا بجا داغدار بنا دیا ہے، دوسرے ایڈیشن میں اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ ایک جگہ آیتِ کریمہ بھی غلط چھپ گئی ہے۔

"إن الله اشترى من المومنين اموالهم وانفسهم" صـ۹۲ انفسهم واموالهم صحیح ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وہو الموفق للسداد وصلی اللہ علی النبی وآلہ وصحبہ وسلم

زین العابدین الاعظمی۔ دار العلوم چھاپی۔ گجرات

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۸۰ء

فہرست مضامین کتاب "المرتضیٰ" کرم اللہ وجہہ، وغیرہ کا علمی احتساب

مکتبہ قادریہ کی بیش بہا علمی خدمات

قرأت سبعہ متواترہ کا مکمل کورس بزبان اردو

مرتبہ: استاذ القراء حضرت قاری ظہیر الدین معروفی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) احیاء المعانی جزء اول : قرأت سبعہ کے اصولی اختلافات بطریق شاطبی

(۲) احیاء المعانی جزء ثانی : قرأت سبعہ کے جملہ فرشی اختلافات ۔

(۳) اجراء السبعۃ المتواترہ : سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ کا مکمل اجراء اور جمع الجمع کا طریقہ بطرز غیث النفع ۔

(۴) اصول ورش عن نافع : امام ورش کے مخصوص قواعد بطرز سوال و جواب

دوسری کتابیں

(۱) مسنون قرأت : تالیف مولانا زین العابدین صاحب معروفی

(۲) دلائل الامور الستۃ (عربی) 〃 〃 〃 〃

(۳) اسمائے حسنیٰ سے استفادہ 〃 〃 〃 〃

(۴) کتاب "المرتضیٰ" وغیرہ کا علمی احتساب 〃 〃 〃

عبد الباسط ابن حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی

منیجر مکتبہ قادریہ ، پورہ معروف ، کورتھی جعفر پور ، ضلع مئو